میری اُمّت کا اختلاف رحمت ہے

مسلکِ اعتدال

تلبیسِ ابلیس کے شکار اربابِ افتا، کو جھنجھوڑنے
والی اور سنجیدہ مفتیانِ کرام کو دعوتِ فکر
دینے والی ایک چشم کشا تحریر

مصنف

علامہ پیر ثاقب شامی حفظہ اللہ تعالیٰ
چیئرمین و سرپرستِ اعلیٰ تحریکِ کنزالہدیٰ انٹرنیشنل



ناشر
تحریکِ کنزالہدیٰ انٹرنیشنل یو کے

میری اُمت کا اختلاف رحمت ہے۔ (الحدیث)

مسلکِ اعتدال

تلبیسِ ابلیس کے شکار اربابِ اِفتا کو جھنجھوڑنے والی اور
سنجیدہ مفتیانِ کرام کو دعوتِ فکر دینے والی ایک چشم کشا تحریر

مصنف
علامہ پیر ثاقب شامی حفظہ اللہ تعالیٰ
چیرمین و سرپرست اعلیٰ تحریکِ کنز الھدیٰ انٹرنیشنل

ناشر:
تحریکِ کنز الھدیٰ انٹرنیشنل، یوکے

نام کتاب : مسلک اعتدال

مصنف : علامہ پیر ثاقب اقبال شامی حفظہ اللہ تعالیٰ

اشاعت : شعبانِ معظم ۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۷ء (طبعۂ اُولیٰ)

صفحات : ۱۱۲

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : رضا اکیڈمی ممبئی

زیراہتمام: کنزالھدیٰ انٹرنیشنل یو کے

www.kanzulhuda.com

تحریک کنزالھدیٰ کے دُنیا کے مختلف علاقوں میں روابط:

برطانیہ:

عرفان ریاض ثاقبی (مرکز)	00447756681107
جواد چشتی ثاقبی ، یو کے (مرکز)	00447578849698

پاکستان:

سہیل ریاض ثاقبی (اسلام آباد)	00923008555501
ریاض ثاقبی (اسلام آباد)	00923237818888
معظم ثاقبی (کراچی)	00923333448872
ماجد ثاقبی (لاہور)	00923338805050

انیل چشتی ثاقبی (آزاد کشمیر) 00923345793943

ہندوستان:

عرفان شریف ثاقبی (بنگلور) 00918884057885

نور خان ثاقبی (ممبئی) 00919920709795

فرقان احمد ثاقبی (حیدر آباد) 00919461643916

محمد عمران ثاقبی (ہبلی، کرناٹک) 00917411900732

شیخ محسن ثاقبی (ویسٹ بنگال) 00918582967852

شان احمد ثاقبی (اُتراکھنڈ) 00919917156708

عبدالمقیم ثاقبی (راجستھان) 00919772337037

مُعین احمد ثاقبی (احمد آباد، گجرات) 00918963038533

قاضی فرحان ثاقبی (عثمان آباد، مہاراشٹر) 00919049490100

سید عبداللہ کامران ثاقبی (تلنگانہ) 00918686659385

امریکہ:

زکی سلطان ثاقبی 0017133676753

جنوبی افریقہ:

رضوان ایوب ثاقبی (پریٹوریا اور کیپ ٹاؤن) 0027721812652

رضا ثاقبی (ڈربن) 0027613341573

ماریشیس:

اجمیر احمد ثاقبی 0023052521266

متحدہ عرب امارات:

حمید الرحمن ثاقبی (دبئی)	00971552000686
محمد یعقوب ثاقبی (دبئی)	00971568563971

کینیڈا:

بلال اعوان ثاقبی (ٹورنٹو)	0016479894985
محمد صابر ثاقبی (مونٹریال)	0015148368556

فرانس:

محمد عمیر ثاقبی	0033615546035
ارسلان ثاقبی	0033619046898

ھالینڈ:

محمد مختار ثاقبی	0031652090444

سویٹزرلینڈ:

سکندر ثاقبی	0041765582355

آسٹریلیا:

محمد زاہد ثاقبی	0061449744786

نیوزیلینڈ:

محمد وسیم ثاقبی	0064220703829



شرفِ انتساب

فقیر اپنی اس کاوِش کو اپنے مرشدِ کریم

بیہقیٔ وقت، مناظرِ اعظم، امام المفسرین، شیخ الحدیث والتفسیر،

فنا فی الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جامع المعقول والمنقول، سیدی ومرشدی،

پیرِ طریقت، رہبرِ شریعت، حضرت علامہ مفتی **منظور احمد فیضی** رحمہ اللہ تعالیٰ

اور اپنے والد گرامی

الحاج **چوہدری محمد اقبال صاحب** حفظہ اللہ تعالیٰ

کی طرف منسوب کرتا ہے

جن کی صالح اور بافیض تربیت نے

اِس ذرۂ ناچیز کو تابندگی بخشی۔

فقط

اسیرِ بارگاہِ فیضی

محمد ثاقب اقبال چشتی شامی

چیرمین وسرپرست اعلیٰ تحریکِ کنزالہدیٰ انٹرنیشنل

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

aaaa

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حامِدًا وّ مُصَلِّیًا وّ مُسَلِّما

سببِ تالیف

اس فقیرِ چشتی نظامی محمد ثاقب اقبال شامی (ساکن برمنگھم، برطانیہ) کو تبلیغِ دین اور ارشادِ مریدین کے سلسلے میں دُنیا کے مختلف ممالک کا دورہ کرنے کا موقع ملا، اور ہر علاقے کے مسلمانانِ اہل سُنت کے عقائد واعمال کی اچھی بُری کیفیات کو نزدیک سے مشاہدہ کرنے کا تجربہ ہوا۔ عقائد میں تصلب کے حوالے سے فی زمانہ برّصغیر ہند وپاک کے سُنی مسلمانوں کا نظیر کہیں نہیں پایا۔ حتی کہ یورپ وامریکہ وغیرہ میں بسنے والے ہمارے برّصغیر کے مسلمانانِ اہلِ سُنت اپنے اسلاف کے عقائد ونظریات پر سختی سے متمسک نظر آئے۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ ایک ایسا مرض جسے اس فقیر چشتی نے برّصغیر کے بعض سُنی بھائیوں حتیٰ کہ بہت سے علما میں جتنا شدید پایا اُتنا شدید دُنیا کے دیگر ممالک کے اہل سُنت میں کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ اس مرض سے فقیر کی مراد فروعی مسائل میں بے جا شدّت و سختی ہے۔ حالانکہ یہ اہلِ سُنت کا طرّہٗ امتیاز اور حسن وجمال ہے کہ فروع میں درگزر سے کام لیا جاتا ہے اور محض اُصول وعقائد میں مخالف پر شدّت کی جاتی ہے، مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ہی کچھ سُنی بھائیوں نے اہلِ سُنت کی اس وسعت کو جسے حدیثِ مرفوع میں رحمت فرمایا گیا، نادانستہ طور پر یا بعض اوقات نفسانیت اور مفاد پرستی کے سبب دیدہ و دانستہ، شدّت وتنگی میں بدلنے کی سعیٔ مذموم کر ڈالی، جس کا خمیازہ ہم اہلِ سنت کو آپس ہی میں ایک دوسرے پر تفسیق وتضلیل بلکہ تکفیر کے الزامات کی شکل میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ حالانکہ آپس میں برسرِ پیکاران سُنی گروہوں کا ضروریاتِ دین اور ضروریاتِ مذہبِ اہل

سُنت کے کسی مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں۔

اس زمانے میں جب یورپ یا امریکہ کا کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرتا ہے، اور اہلِ سُنت کی حقانیت وہمہ گیریت کے سبب دیگر باطل فرقوں پر مسلکِ اہل سُنت کو فوقیت دیتے ہوئے اپناتا ہے، تو اُسے اُس وقت سخت حیرت و پریشانی سے دوچار ہونا پڑتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ فروعی اور فقہی مسائل میں اختلاف کے سبب بعض سُنی تنظیمیں بعض پر اور بعض علماو پیرانِ کرام بعض پر طعن وتشنیع کرتے ہوئے اُن کی تفسیق وتجہیل کررہے ہیں، بلکہ بعض اوقات گمراہ وبدمذہب تک قرار دے رہے ہیں۔ وہ اپنے دل میں یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ اُس نے مسلکِ اہلِ سُنت کو اپنا کر کیا واقعی حق کو اپنایا ہے؟ کیا یہی وہ مسلکِ حق سوادِ اعظم ہے جس کی حقانیت سے وہ متاثر ہوا تھا؟ کیا یہی وہ نجات یافتہ جماعت ہے جس کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے ماننے والے فروع میں اختلاف کے باوجود آپس میں شیر وشکر رہتے ہیں؟ جب وہ نومسلم اپنے دل میں پیدا ہونے والے ان سوالات کے صحیح اور تسلّی بخش جوابات نہیں پاتا تو یا تو وہ اسلام ہی سے برگشتہ ہوجاتا ہے یا پھر وہ بنامِ سُنیت اُن بدمذہبوں اور صلح کلیوں کے ہتھے چڑھ جاتا ہے جو فروع میں نرمی کی آڑ میں بنیادی اُصول وعقائد میں بھی مداہنت اور پلپلے پن سے کام لیتے ہیں۔

فروع میں شدّت وغلو کرنے والوں میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنی اس حماقت وجہالت کو مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نام دے کر امام اہلِ سُنت، مجدّدِ دین وملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدّثِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کو نادانستہ بدنام کرتے ہیں۔ حالانکہ اس سُنیت مخالف شدّت وغلو سے امام احمد رضا بلکہ تمام بزرگانِ دین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا دامن پاک ہے۔

انہی اسباب وعلل کے پیشِ نظر اس فقیرِ چشتی نے اس رسالے کو مرتب کرنے کا عزم کیا جس کو پڑھ کر ہر انصاف پسند سُنی مسلمان اس بات کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مسلک اعلیٰ حضرت وہ نہیں جس کا دعویٰ ہمارے یہ نادان دوست کر رہے ہیں بلکہ مسلک اعلیٰ حضرت مسلکِ اہل سُنت و جماعت کا دوسرا نام ہے، جس کی ترجمانی مذاہب اربعہ کے فقہا بلکہ تمام بزرگانِ دین نے اپنی اپنی معتمد کتابوں میں فرمائی ہے۔

قارئین سے صرف یہی التجا ہے کہ اس مقالے کو سنجیدگی سے اور غیر جانب دار ہو کر بنظرِ انصاف ملاحظہ فرمائیں، اور علمائے کرام اگر اس میں کچھ غلطی پائیں تو ضرور مطلع فرما کر اصلاح فرمائیں، یہ فقیر شکر گزار ہوگا۔

فإن تجد عیبا فسُدّ الخللا		فجلّ من لا عیب فیه وعلیٰ

فقط

اسیرِ بارگاہِ فیضی

محمد ثاقب اقبال چشتی شامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ حق حمدہ والصلاۃ والسلام علی أحمدہ وعلی آلہ وصحبہ وحزبہ وبعد

ابتدائیہ

اللہ جلّ وعلیٰ نے اپنے آخری نبی، کونین کے والی، خسروِ خوباں، سیّاحِ لامکاں، نازشِ ہر دو جہاں، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا پسندیدہ دین حنیف، دین اسلام دے کر بھیجا۔ یہ دین رب تعالیٰ کا ایسا پسندیدہ ہے کہ فرمایا: "اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ " (بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ آل عمران:۱۹) اس دین کے غیر میں بھلائی تلاش کرنے والوں کا ردّ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ ۚ وَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ" (اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں سے۔ آل عمران:۸۵) چونکہ یہ دین پروردگارِ عالم کا ایسا محبوب ہے کہ حق اس کے غیر میں نہیں اور انسانوں کی نجات سوائے اس کے کہیں اور نہیں اسی لیے اُس نے اس دین کو معتدل اور فطرتِ انسانی کے عین مطابق بنایا، ارشاد فرمایا: "فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا " (اللہ کی ڈالی ہوئی بِنا یعنی دین اسلام جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ الروم:۳۰) یہی وجہ ہے کہ دین اسلام انسانی فطرت اور ہر دور کے عقلی تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور ہر زمانے میں ہر قوم و قبیلے کا انسان اس پر با آسانی عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ ربّ ذو الجلال کی مشیت ہی یہ ہے کہ: "يُرِيۡدُ اللّٰهُ بِکُمُ الۡيُسۡرَ وَلَا يُرِيۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ " (اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ البقرۃ:۱۸۵) رسول

اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے ارشاد فرمایا: "فإنما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین" (تمہیں آسانی دینے والا ہی بنا کر بھیجا گیا اور تمہیں تنگی پیدا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب صب الماء علی البول فی المسجد: ۲۲۰) بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کی آسانی کے لیے آسان پہلو کا ہی انتخاب فرماتے، چنانچہ شانِ رسالت کو بیان کرتے ہوئے امّ المومنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: "ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین أمرین إلا أخذ أیسرھما، مالم یکن إثما" (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب کبھی دو معاملوں میں اختیار دیا گیا تو دونوں میں سے زیادہ آسان معاملے کو اخذ فرمایا جب تک کہ وہ آسان معاملہ گناہ نہ ہو۔ متفق علیہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفضائل، باب اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ۵۸۷۱) بلکہ دین میں بے جا شدت اور غلو کرنے والوں کی مذمت میں فرمایا: "ھلک المتنطعون" قالھا ثلاثا" (غلو وشدّت کرنے والے ہلاک ہوئے، اسے تین مرتبہ فرمایا۔ صحیح مسلم، کتاب العلم، باب ہلک المتنطعون: ۲۶۷۰) نیز فرمایا: "یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا" (آسانی پیدا کرو، تنگی نہ کرو، خوشخبری دو، نفرت پیدا نہ کرو۔ متفق علیہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء، باب ما علی الولاۃ من التیسیر، الفصل الاول: ۳۷۲۲)

فروع میں اختلاف رحمت ہے

چونکہ اس امت کا اجماع قطعی حجت ہے اور اجماع کی مخالفت گمراہی ہے اس لیے اجماعی مسلمات میں کسی کو انکار کی ہرگز اجازت نہیں، حتی کہ مجتہد پر بھی یہ پابندی ہے کہ وہ اجماع کے خلاف اجتہاد نہ کرے۔ رہے وہ مسائل جن پر اجماع منعقد نہ ہوا اور نہ ہی سواد اعظم کا اتفاق ہوا اُن میں اختلاف کی گنجائش رکھی گئی باوجود اس کے کہ اگر اللہ تعالی چاہتا تو دین کے کسی مسئلے میں اختلاف کی گنجائش کو باقی نہیں رکھتا اور تمام مسائل اتفاقی ہوتے۔ مگر اس کی یہ مشیت ہے کہ یہ اختلاف باقی رہے تاکہ اُس کے بندوں پر رحمت اور آسانی ہو۔ چنانچہ امام دار ہجرت، امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب خلیفہ وقت ہارون رشید نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ امام صاحب کا مذہب تمام عالم اسلام میں رائج کیا جائے اور تمام مسلمانوں کو بحکمِ خلیفہ اس کے عمل پر جمع کیا جائے تو اس پر امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار فرمایا اور لوگوں کو فقہی اختلاف میں باقی رکھنے کی حکمت بتائی۔

چنانچہ عارف باللہ تعالیٰ علامہ عبدالوہاب شعرانی مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا:

"وقد دخل هارون الرشيد على الإمام مالك رضى الله تعالىٰ عنه فقال له: دعنى أبا عبد الله أفرق هذه الكتب التى ألفتها و أنشرها فى بلاد الإسلام و أحمل عليها الأمة، فقال له: يا أمير المؤمنين! إن اختلاف العلماء رحمة من الله على هذه الأمة، فكل يتبع ما صح دليله عنده و كل على هدىٰ و كل يريد الله و كان الإمام مالك يقول كثيرا أما شاورنى هارون الرشيد أن يعلق كتاب المؤطا فى

الکعبة ویحمل الناس علی ما فیه فقلت له لاتفعل، لأن اصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اختلفوا فی الفروع وتفرقوا فی البلاد وکل مصیب فقال زادک الله توفیقا یاأباعبدالله۔اھ۔"

ترجمہ: "خلیفہ ہارون رشید امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور اُن سے عرض کی: اے ابوعبداللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں ان کتابوں کو جن کی آپ نے تصنیف فرمائی تقسیم کروں اور اُنہیں بلادِ اسلام میں پھیلاؤں اور اُمت کو ان پر جمع کروں تو فرمایا: اے امیر المؤمنین! بے شک علما کا اختلاف اس امت پر اللہ کی رحمت ہے۔ پس ہر کوئی اُس کا اتباع کرتا ہے جس کی دلیل اُس کے نزدیک صحیح ہوئی، ہر کوئی ہدایت پر ہے اور ہر کوئی اللہ جلّ وعلیٰ کی رضا چاہتا ہے۔ اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ خلیفہ ہارون رشید نے اُن سے اس بارے میں مشورہ کیا کی وہ مؤطا کو کعبہ شریف میں لٹکائے اور جو کچھ اُس میں (مذہب مالکی) ہے اُس پر لوگوں کو جمع کرے۔ تو میں نے اُس سے کہا ایسا مت کر، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ نے فروع میں اختلاف کیا، اور بلادِ اسلام میں پھیلے اور ہر کوئی درستگی پر ہے۔ تو اس پر خلیفہ نے عرض کیا کہ اے ابو عبداللہ! اللہ تعالیٰ آپ کی توفیق میں اضافہ فرمائے۔"

(میزان الشریعۃ الکبریٰ، حصہ اوّل، صفحہ: ۱۴۱، ناشر: دارالفکر، بیروت)

چونکہ فروع میں اختلاف رحمت ہے اس لیے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ اُمت کسی ایک مذہب پر جمع ہو کر اس رحمت سے محروم ہو اور شدت وتنگی کی زحمت میں مبتلا ہو۔ لہٰذا جو لوگ فروعی مسائل میں اپنے مخالف علما کو اپنے موقف پر جمع کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں تفسیق بلکہ بعض اوقات تضلیل بھی کرتے ہیں، اُنہیں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس واقعے سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد، مکہ شریف کے نقیب الاشراف، علامہ سید احمد بن علوی سقاف رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۳۳۵ھ) نے اپنی کتاب "الفوائد المکیہ" میں تحریر فرمایا:

"قال الشيخ ابن حجر رحمه الله تعالى في الخيرات الحسان بعد ما نقل حديث اختلاف أمتي رحمة وصححه: فعليكم أن تعتقدوا أن خلاف أئمة المسلمين أهل السنة والجماعة في الفروع نعمة كبيرة ورحمة واسعة، وله سر لطيف أدركه العالمون وعمي عنه المعترضون الغافلون، وعليكم أن تحذروا من التعرض لمذهب أحد من الأئمة المجتهدين بالطعن والنقص، فإن لحومهم مسمومة، وعادة الله في منتقصهم معلومة، فمن تعرض إلى واحد منهم أو إلى مذهبه يهلك قريبا۔"

ترجمہ: ''شیخ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالی نے الخیرات الحسان میں حدیث ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے'' کونقل کرنے اور اسے صحیح قرار دینے کے بعد فرمایا: لہٰذا تم پر یہ عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ مسلمانوں یعنی اہلِ سنت وجماعت کے اماموں کا فروع میں اختلاف کرنا بڑی نعمت اور وسیع رحمت ہے۔ اور اس اختلاف میں ایک لطیف راز ہے جسے علما نے پایا اور غافل معترضین اس سے جاہل رہے۔ اور تم پر ائمۂ مجتہدین میں سے کسی ایک پر بھی طعن کرنے سے بچنا لازم ہے، اس لیے کہ علما کے گوشت زہر آلود ہیں اور اُن کی عیب جوئی کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی عادت معلوم ہے۔ لہٰذا جو کوئی اُن میں سے کسی ایک سے یا کسی ایک کے مذہب سے تعرض کرے گا وہ جلد ہلاک ہو جائے گا۔"

(الفوائد المکیہ، ص ۱۶۱، ناشر: دار الفاروق، مصر)

سوادِ اعظم اہلِ سُنّت کا نظریہ

سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کا یہ اتفاقی موقف ہے کہ عقائد میں اختلاف کرنے والا گناہ گار بلکہ گمراہ ہے۔اور اگر اختلاف ضروریاتِ دین کے کسی مسئلے میں کرے تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔مگر اسی کے ساتھ اس پر بھی اتفاق ہے کہ فروع میں اختلاف کرنے والا گناہ گار یا فاسق نہیں۔چنانچہ مشہور معتزلی عبداللہ بن حسن عنبری کا یہ ماننا تھا کہ جس طرح فروع میں اختلاف کرنے اور خطا کرنے والا گناہ گار نہیں ہے،اسی طرح اُصول اور عقائد میں اختلاف کرنے والے کو بھی معذور اور غیر آثم قرار دیا جائے۔ٹھیک یہی عقیدہ ہمارے زمانے کے اُن صلح کلیوں کا ہے جو یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ سارے فرقے جنتی ہیں اور ان میں آپسی اختلاف فروعی یا لفظی ہے۔اسی بدعقیدگی کی وجہ سے یہ لوگ بدمذہبوں سے راہ و رسم بنائے رکھتے ہیں۔حجۃ الاسلام،امام ابوحامد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۵۰۵ھ) نے اس کا رڈ کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"لكنه باطل بدليل الشرع واتفاق سلف الأمة على ذم المبتدعة ومهاجرتهم وقطع الصحبة معهم وتشديد الإنكار عليهم مع ترك التشديد على المختلفين في مسائل الفرائض وفروع الفقه."

ترجمہ: "لیکن (عنبری کا) یہ قول باطل ہے دلیلِ شرع سے اور اُمّت کے اسلاف کے اتفاق کرنے کی وجہ سے بدمذہبوں کی مذمت پر،اُن سے قطعِ تعلقی کرنے پر،اُن کی صحبت کو ترک کرنے پر،اور اُن پر انکار کرنے میں شِدّت کرنے پر،مسائلِ فرائض اور فروعِ فقہ

میں اختلاف کرنے والوں پر شدّت نہ کرنے (پر اُن کے اتفاق) کے باوجود۔"

(المستصفٰی، النظر الثانی فی الاجتهاد الحکم الأوّل فی تأثیم المجتهد، ص:۳۵۰، ناشر: دار الکتب العمیة)

یعنی جس طرح اسلاف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عقائد میں خطا کرنے والا معذور نہیں اسی طرح اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ فروعی مسائل میں اختلاف کرنے والوں سے نرمی کا برتاؤ کیا جائے گا، اُن کو فاسق نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی اُن پر طعن وتشنیع کی جائے گی۔ بلکہ فروع میں اختلاف کرنے والوں کو گمراہ کہنا یا سختی کرنا بدمذہبوں کا طریقہ ہے۔ چنانچہ المعتقد المنتقد میں شرح مقاصد کے حوالے سے ہے:

"ومن المبطلین من جعل المخالفة فی الفروع بدعة"

ترجمہ: "اور کچھ اہلِ باطل نے فروعی احکام میں مخالفت کو بدعت یعنی گمراہی قرار دیا۔"

(المعتقد المنتقد، صفحہ:۲۶۵، ناشر: دارالمقطم، قاہرہ)

معلوم ہوا کہ ہمارے جو سُنّی بھائی مسلک اہلِ سنت کے عقائد کی حفاظت کے سلسلے میں فروعی مسائل میں بھی شدت کرتے ہوئے مخالف کی تفسیق بلکہ بعض اوقات تضلیل تک کرتے ہیں، وہ خود اس معاملے میں اہلِ سنت کے متفقہ نظریے کی مخالفت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور ایسا صرف اس لیے ہوا کہ علم میں ناپختگی کی وجہ سے وہ متفق علیہ اور مختلف فیہ مسائل میں تمیز نہ کر پائے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلک اعلیٰ حضرت کی حفاظت کی آڑ میں شیطان نے انہیں اس معاملے میں مسلک اعلیٰ حضرت ہی سے دور کر دیا۔

ایک اہم قاعدہ

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ جب یہ ثابت ہوا کہ زیر بحث مسئلہ مذاہبِ فقہیہ میں متفق علیہ ہے تو اس سے متعلق کسی بھی مسلک کے عالم کے قول سے دلیل لانا جائز ہوگا۔ اس لیے کہ متفق علیہ مسائل میں مذہبِ غیر کے علما کے اقوال سے استدلال و استشہاد کرنا اہلِ علم کے درمیان مشہور و متعارف ہے۔ چنانچہ عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۱۴۳ھ) نے اپنی کتاب ''خلاصۃ التحقیق'' میں نقل فرمایا:

''إن المسألة إذا لم يكن لها اختصاص بواحد من الأئمة بل كانت مشتركة فيما بينهم في الحكم كمسائل أصول الدين والأحكام المتفق عليها من الفروع فيجوز الاستدلال عليها بقول الجميع۔''

ترجمہ: ''بے شک مسئلہ اگر ائمہ میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص نہ ہو بلکہ اُن کے درمیان حکم میں مشترک ہو مثلاً اُصول الدین کے مسائل اور فروع میں سے وہ احکام جو متفق علیہ ہوں تو اُن پر تمام علما کے قول سے دلیل لانا جائز ہے۔''

(خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد والتلفيق، صفحه: ١٠-١١، ناشر: مكتبة الحقيقة، استنبول)

کسی غیر فاسق کو فاسق کہنے کا حکم

آج جو لوگ فروع میں اختلاف کی وجہ سے فریقِ مخالف کو فاسق و فاجر قرار دیتے ہیں اُن لوگوں کو اللہ جلّ وعلیٰ سے ڈرنا چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ کسی مسلمان کو بلا وجہ فاسق کہنا ربّ تعالیٰ کے نزدیک کتنا بڑا جرم ہے۔ کسی مسلمان کو فاسق کہنا اُسے گالی دینا اور ایذا پہنچانا ہے، جو بالاجماع حرام ہے۔ چنانچہ مذہب حنفی کی مشہور کتاب مختار اور اُس کی شرح اختیار میں ہے:

"(ومن قال لمسلم: یا فاسق عزر) لأنه آذاه بذلک وألحق به الشین، والحدود لا تثبت قیاسا فوجب التعزیر لینزجر عن ذلک ویعتبر غیره. (مُلخصاً)"

ترجمہ: "اور جو کسی مسلمان کو اے فاسق کہے اُس کی تعزیر کی جائے گی، اس لیے کہ اُس نے ایسا کہہ کر اُس مسلمان کو ایذا پہنچائی اور عیب لگایا۔ اور چونکہ حدود قیاس سے ثابت نہیں ہوتے لہٰذا تعزیر واجب ہوگی تا کہ وہ اس فعل سے باز رہے اور دوسروں کو عبرت ہو۔"

(الإختیار لتعلیل المختار، ج:۴، ص:۹۶، ناشر: مطبعة الحلبی، القاهرہ)

درّ مختار کے باب التعزیر میں ہے:

"(وعزر کل مؤذي مسلم بغیر حق بقول أو فعل ولو بغمز العین) أو إشارة الید لانه غیبة، فمرتکبه مرتکب محرم، وکل مرتکب معصیة لا حد فیها، فیها التعزیر. (فیعزر) بشتم (مسلم) ما (بیافاسق) (مُلخصاً)"

ترجمہ: ''کسی بھی مسلمان کو قول یا فعل سے ایذا دینے والے کی تعزیر کی جائے گی اگرچہ آنکھ یا ہاتھ کے اشارے سے ہو، اس لیے کہ یہ بھی غیبت ہے۔لہٰذا ایذاے مسلم کا مرتکب فعلِ حرام کا مرتکب ہے۔اور ہر ایسے گناہ کا مرتکب جس میں حد واجب نہیں تو اُس میں تعزیر واجب ہے۔لہٰذا کسی مسلمان کو اے فاسق کہہ کر گالی دینے والے کی تعزیر کی جائے گی۔''

(الدر المختار شرح تنویر الأبصار وجامع البحار، ص:۳۱۷، ناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۹۷۰ھ) نے فرمایا:

''واقتصر المصنف في مسائل الشتم علی النداء ولیس بقید، لأن الإخبار کذلک کما إذا قال أنت فاسق أو فلان فاسق ونحوہ''

ترجمہ: ''اور مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے گالی کے مسائل میں ندا کے ذکر پر اکتفا کیا حالانکہ ندا قید نہیں، اس لیے کہ خبر دینے کا بھی یہی حکم ہے جیسا کہ اگر وہ کہے کہ تُو فاسق ہے یا فلاں فاسق ہے اور اسی کے مثل۔''

(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج:۵، ص:۴۷، ناشر: دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

کتنے افسوس کی بات ہے کہ یہ وبا آج ہمارے معاشرے میں اس قدر عام ہو چکی ہے کہ بہت سے صاحبانِ جبہ و دستار اور اربابِ منبر و محراب بھی صحیح العقیدہ سُنّی مسلمانوں کا نام لے کر فروع میں اختلاف کی بنیاد پر اُنہیں فاسق کہنے کے گناہ میں مبتلا ہو رہے ہوتے ہیں۔

''الموسوعة الفقهية الكُوَيتِية'' جلد ۱۳ صفحہ ۱۰۱ پر ہے:

''من فسق مسلما وھو لیس بفاسق عزر، وھذا ما لا خلاف فیه بین أھل العلم. (ملخصاً)''

ترجمہ: ''جو کسی مسلمان کی تفسیق کرے حالانکہ وہ فاسق نہ ہو تو اُس کی تعزیر کی جائے گی۔ اور اس مسئلے میں اہلِ علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔''

(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج:۱۳، ص:۱۰۱، ناشر: وزارة الأوقاف، كويت)

فی زمانہ ہمارے کچھ سُنّی بھائی فروعی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے فریقِ مخالف کو فاسق وفاجر اور بہت کچھ کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالاتفاق گناہ وفسق ہے۔ اختلافی مسائل میں جواز کے قائل کے لیے مستحب ہے کہ وہ مشتبہات سے بچنے کی کوشش کرے۔ مگر اُس کو فاسق کہنے سے زبان ودل کو روکنا بالاجماع واجب ہے۔ تلبیسِ ابلیس کی وجہ سے ہمارے یہ بھائی اختلافی مسائل میں شدت کرنے کی وجہ سے اجماعی حرام کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔

شبہات سے بچنے کا حکم

اختلافی مسائل میں عدمِ جواز کا موقف رکھنے والے بعض حضرات کو دیکھا گیا کہ جب اُن کے سامنے جواز کے موقف کی وضاحت کی گئی اور یہ کہا گیا کہ اِس فعل میں مبتلا جواز کے قائل علما کا اتباع کرتے ہیں تو اس کے باوجود عدم جواز کے ان قائلین نے جواز کے قائلین پر یہ کہتے ہوئے سختی کی کہ اگر چہ اس مسئلے میں علما کا اختلاف ہے مگر یہ شبہات کے قبیل سے ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے شبہات سے اجتناب کیا اُس نے اپنے دین کو بچالیا۔ اور حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ اُس چیز کو چھوڑ دے جو تجھے شبہے میں ڈالے اور اُس چیز کو اپنا لے جو شبہے سے بالا ہو۔ حالانکہ شدّت کرنے والے ہمارے یہ بھائی ہزاروں مسائل میں خود اپنے مذہب کے جواز پر بغیر کسی خوف و تردّد کے عمل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، باوجود اس کے کہ اُن مسائل میں دیگر ائمہ حرمت کے قائل ہوتے ہیں۔ اُس وقت انہیں شبہات سے بچنے کی فکر کیوں نہیں ہوتی؟ نیز احادیث میں شبہات سے بچنے کا جو حکم آیا وہ اولویت و استحباب پر محمول ہے، اسی لیے اختلافِ ائمہ سے بچنا مستحب ہے۔ لہٰذا کسی کو صرف اس وجہ سے بُرا سمجھنا درست نہیں کہ وہ اختلافی مسائل میں اختلافِ ائمہ سے نہیں بچتا اور شبہات میں پڑتا ہے۔ حالانکہ اب اگر لوگ حرام سے بچیں تو یہ اُن کے لیے بڑی بات ہے چہ جائے کہ اُنہیں شبہات سے بچنے کا مکلف قرار دیا جائے۔

اعلیٰ حضرت، مجدّدِ دین وملت، امام احمد رضا محدثِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحریر فرمایا: (مُلخصاً)

”علما تصریح فرماتے ہیں ہمارا زمانہ اتقائے شبہات کا نہیں، غنیمت ہے کہ آدمی

آنکھوں دیکھے حرام سے بچے۔

"فی فتاوی الإمام قاضی خان قالوا لیس زماننا زمان اجتناب الشبهات وإنما علی المسلم أن یتقی الحرام المعاین اهـ۔ وفی تجنیس الإمام برهان الدین عن أبی بکر إبراهیم: لیس هذا زمان الشبهات إن الحرام أغنانا یعنی إن اجتنبت الحرام کفاک. اه ملخصاً۔ وعنهما فی الأشباه نحو ذلک۔ وفی الطریقة وشرحها بعد النقل عن الإمامین المعاصرین رحمهما الله تعالٰی زمانهما ای زمان قاضی خان وصاحب الهدایة رحمهما الله تعالٰی قبل ستمائة سنة من الهجرة النبویة وقدبلغ التاریخ الیوم أی فی زمان المصنف لهذا الکتاب رحمه الله تعالٰی تسعمائة وثمانین سنة من الهجرة وبلغ التاریخ الیوم الی الف وثلث وتسعین سنة من الهجرة ولاخفاء ان الفساد والتغیر یزیدان بزیادة الزمان لبعده عن عهد النبوة .اهملخصا۔ وفی العٰلمگیریة عن جواهر الفتاوٰی عن بعض مشایخه علیک بترک الحرام المحض فی هذا الزمان فإنک لاتجد شیأ لا شبهة فیه اهـ۔"

(ترجمہ) ''فتاوٰی قاضی خان میں ہے: فقہا فرماتے ہیں ہمارا زمانہ شبہات سے اجتناب کا زمانہ نہیں، مسلمان پر لازم ہے کہ آنکھوں دیکھے حرام سے بچے اھ۔ امام برہان الدین کی تجنیس میں ابوبکر بن ابراہیم سے منقول ہے کہ یہ شبہات کا زمانہ نہیں ہے بیشک حرام نے ہمیں مستغنی کردیا یعنی اگر تو حرام سے بچے تو کافی ہے اھ۔ (تلخیص) اوران دونوں سے الاشباہ میں اسی کے مثل ہے۔ ملخصاً۔ الطریقۃ المحمدیہ اوراس کی شرح میں دو معاصر

ائمہ رحمہا اللہ تعالیٰ سے نقل کرنے کے بعد فرمایا ان دونوں یعنی قاضی خان اور صاحبِ ہدایہ کا زمانہ سن ہجری کے اعتبار سے چھ ۶۰۰ سوسال پہلے کا ہے اور آج اس مصنف کے زمانے میں ۹۸۰ھ ہوگئی ہے اور آج (شرح لکھتے وقت) ۱۰۹۳ھ ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ عہدِ نبوت سے دُوری کی وجہ سے جُوں جُوں زمانہ بڑھتا جاتا ہے فساد وتغیر میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے اھ ملخصاً۔ فتاوٰی عالمگیری میں بحوالہ جواہر الفتاوٰی بعض مشائخ سے نقل کیا گیا ہے کہ اس زمانے میں تم پر محض حرام کا چھوڑنا واجب ہے کیونکہ آج تم کوئی ایسی چیز نہیں پاؤ گے جس میں شبہہ نہ ہو۔"

سبحان اللہ! جبکہ چھٹی صدی بلکہ اُس سے پہلے سے ائمہ دین یوں ارشاد فرماتے آئے تو ہم پسماندوں کو اس چودھویں صدی میں کیا اُمید ہے فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایسی ہی وجوہ ہیں کہ حدیث میں آیا:

"إنكم في زمان من ترك منكم عشر ما أمر به هلك ثمّ ياتي زمان من عمل منهم بعشر ما أمر به نجا. أخرجه الترمذي وغيره عن أبي هريرة رضي الله تعالٰى عنه عن النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم."

(ترجمہ) "تم (اے صحابۂ کرام) اس زمانے میں ہو کہ تم میں سے جو شخص اس چیز کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے تو ہلاک ہوگا پھر ایک زمانہ آئے گا کہ تم میں سے جو آدمی اس چیز کے دسویں حصّے پر بھی عمل کرے گا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے تو وہ نجات پائے گا۔ ترمذی وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا۔"

ہاں! جو شخص بحکم..... "من اتقی الشبہات الخ (یعنی جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنا دین اور عزّت بچالی۔)..... بچنا چاہے..... بہتر وافضل اور نہایت محمود عمل، مگر

اس کے ورع کا حکم صرف اسی کے نفس پر ہے نہ کہ اس کے سبب اصل شئے کو ممنوع کہنے لگے یا جو مسلمان اُسے استعمال کرتے ہوں اُن پر طعن واعتراض کرے، اُنہیں اپنی نظیر میں حقیر سمجھے، اس سے تو اس ورع کا ترک ہزار درجہ بہتر تھا کہ شرع پر افترا اور مسلمانوں کی تشنیع وتحقیر سے تو محفوظ رہتا..... عجب اس سے کہ ورع کا قصد کرے اور محرماتِ قطعیہ میں پڑے یہ صرف تشدد وتعمق کا نتیجہ ہے اور واقعی دین وسنّت صراطِ مستقیم ہیں، ان میں جس طرح تفریط سے آدمی مداہن ہو جاتا ہے یونہی افراط سے اس قسم کے آفات میں ابتلا پاتا ہے..... دونوں مذموم۔ بھلا عوام بے چاروں کی کیا شکایت، آج کل بہت جہال منتسب بنام علم وکمال یہی روش چلتے ہیں، مکروہات کہ مباحات بلکہ مستحبات جنہیں بزعمِ خود ممنوع سمجھ لیں اُن سے تحذیر وتنفیر کو کیا کچھ نہیں لکھ دیتے حتیٰ کہ نوبت تا بہ اطلاق شرک وکفر پہنچانے میں باک نہیں رکھتے۔ پھر یہ نہیں کہ شاید ایک آدھ جگہ قلم سے نکل جائے تو دس جگہ اس کا تدارک عمل میں آئے۔ نہیں نہیں بلکہ اُسے طرح طرح سے جمائیں، اُلٹی سیدھی دلیلیں لائیں۔ پھر جب مؤاخذہ کیجئے تو ہوا خواہ بفحوائے ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' تاویل کریں کہ بنظر تخویف وترہیب تشدد مقصود ہے۔ سبحٰن اللہ اچھا تشدد ہے کہ اُن سے زیادہ بدتر گناہوں کا خود ارتکاب کر بیٹھے..... ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العزیز الحکیم۔"

(فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد: ۴، صفحہ: ۵۴۷ تا ۵۴۹، ناشر: رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا دانستہ یا نادانستہ طور پر چہرہ مسخ کر کے فروعی مسائل میں شدّت کرنے والے صاحبانِ جبّہ ودستار میرے اعلیٰ حضرت کے ان جملوں کا مطالعہ بار بار کریں، ان شاء اللہ خود پسندی سے نفرت، طبیعت میں متانت، دوسروں کے لیے لِیْنَت، حسنِ ظن اور خیر خواہی کا جذبہ بیدار ہوگا۔

تقلید سے متعلق ضروری مسائل کی توضیح

تقلید کا تعلق اختلافی مسائل سے ہوتا ہے اور اختلافی مسائل میں تقلید کی جاتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ پہلے تقلید سے متعلق چند ضروری مسائل کی تشریح ہو جائے تاکہ کتاب کی اصل ابحاث کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

تقلید کی تعریف

علامہ سیّد ابو بکر دمیاطی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۴۱۰ھ) نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا:

"وحاصل الكلام عليه أن التقليد هو الاخذ والعمل بقول المجتهد من غير معرفة دليله، ولا يحتاج إلى التلفظ به، بل متى استشعر العامل أن عمله موافق لقول إمام فقد قلده۔"

ترجمہ: "اور تقلید سے متعلق حاصلِ کلام یہ ہے کہ تقلید مجتہد کے قول کو بغیر اُس کی دلیل کی معرفت کے اخذ کرنا اور اُس پر عمل کرنا ہے، اور تقلید کا لفظ بولنے کی حاجت نہیں بلکہ جب عمل کرنے والا اس بات کو دل میں بٹھائے کہ اُس کا عمل فلاں امام کے قول کے موافق ہے تو بے شک اُس نے اُس امام کی تقلید کر لی۔"

(إعانة الطالبين على حل ألفاظ فتح المعين، جلد: ۳، صفحہ: ۲۴۹، ناشر: دار الفکر، بیروت)

تقلید کا وجوب

پیرانِ پیر، میراں دست گیر، سیدنا غوث اعظم شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی بغدادی رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے شاگردِ رشید مشہور حنبلی فقیہ، امام موفق الدین ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۶۲۰ھ) نے اصولِ فقہِ حنبلی کی اپنی کتاب میں تحریر فرمایا:

”وأما التقليد في الفروع فهو جائز إجماعًا، فكانت الحجة فيه الإجماع. ولأن المجتهد في الفروع إما مصيب وإما مخطئ مثاب غير مأثوم، بخلاف ما ذكرناه. فلهذا جاز التقليد فيها، بل وجب على العامّي ذلك. وذهب بعض القدرية إلى أن العامّة يلزمهم النظر في الدليل في الفروع أيضًا. وهو باطل بإجماع الصحابة، فإنهم كانوا يفتون العامّة، ولا يأمرونهم بنيل درجة الاجتهاد، وذلك معلوم على الضرورة والتواتر من علمائهم وعوامّهم. ولأن الإجماع منعقد على تكليف العامّي الأحكام، وتكليفه رتبة الاجتهاد يؤدي إلى انقطاع الحرث والنسل، وتعطيل الحرف والصنائع، فيؤدي إلى خراب الدنيا. ثم ماذا يصنع العامّي إذا نزلت به حادثة إن لم يثبت لها حكم إلى أن يبلغ رتبة الاجتهاد، فإلى متى يصير مجتهدًا؟ ولعله لا يبلغ ذلك أبدًا، فتضيع الأحكام. فلم يبق إلا سؤال العلماء، وقد أمر الله تعالى بسؤال العلماء في قوله تعالى: {فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ}“

ترجمہ: ”رہا فروع میں تقلید کرنا تو یہ بالاجماع جائز ہے۔ لہٰذا اس کے جواز میں حجت اجماع ہے۔ اور اس لیے کہ فروع میں مجتہد یا تو درستگی کو پانے والا ہے یا ثواب پانے والا خاطی ہے گناہ گار نہیں، برخلاف اُس کے جس کا ہم نے ذکر کیا (کہ عقائد میں خطا کرنے والا گناہ گار ہے) تو اس وجہ سے فروع میں تقلید جائز بلکہ عامی پر تقلید کرنا واجب ہے۔ اور بعض قدریہ اس طرف گئے کہ دلیل میں غور وخوض کرنا عوام پر فروع میں بھی لازم ہے۔

(اقول: بالکل یہی نظریہ اس زمانے کے غیر مقلدین کا ہے۔ راقم) حالانکہ یہ قول باجماعِ صحابہ باطل ہے۔ اس لیے کہ صحابۂ کرام عوام کو فتویٰ دیا کرتے اور انہیں اجتہاد کا درجہ حاصل کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ اور یہ بات صحابۂ کرام کے علما اور عوام سے تواتر سے اور بالضرورت معلوم ہے۔ اور اس لیے کہ عامی کے احکام کے مکلف ہونے پر اجماع منعقد ہے۔ اور (چونکہ کتب اُصولِ فقہ میں مذکور اجتہاد کی انتہائی کڑی شرطوں کو پورا کرنا سب کے بس کی بات نہیں تو) اُسے اجتہاد کے رتبے کا مکلف کرنا کھیتی باڑی اور توالد وتناسل کے منقطع ہونے اور صنعتوں وحرفتوں کے معطل ہونے کی طرف لے جائے گا، لہٰذا یہ دُنیا کو ویران کرنے کی طرف لے جائے گا۔ پھر جب عامی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوا گر اُس کا حکم ثابت نہ ہو تو وہ اجتہاد کے رتبے تک پہنچنے تک کیا کرے گا؟ تو وہ کب مجتہد بنے گا؟ اور شاید وہ اجتہاد کے رتبے تک کبھی نہ پہنچ پائے تو اس طرح احکام ضائع ہو جائیں گے۔ لہٰذا سوائے علما سے استفتا کرنے کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ اور تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں علما سے استفتا کرنے کا حکم دیا ہے: (ترجمہ): تو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔"

(روضة الناظر وجنة المناظر في أصول الفقه، ج: ۲، ص: ۳۸۲، الناشر: مؤسسة الريّان)

فی زمانہ دعویٰ اجتہاد کی حقیقت

بعض آزاد خیال لوگ اجتہاد کرنے کی فکر میں گھلے جاتے ہیں اور ائمہ مجتہدین سے مخالفت کے جواز میں اجتہاد کے ممکن ہونے کا رونا روتے ہیں۔ مگر یہ نہیں دیکھتے کہ ہر ممکن واقع نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں اصولِ فقہ کی ایک کتاب کا حوالہ پیش خدمت ہے۔ مکّہ مکرّمہ کے مفتیٔ مالکیہ، علامہ محمد علی بن حسین مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۳۶۷ھ) نے اپنی کتاب میں فرمایا:

"والجمهور على أن شروط الاجتهاد المطلق المذكورة لم تتحقق

فی شخص من علماء القرن الرابع فما بعده (إلی قوله) قال ابن أبی الدم عالم الأقطار الشامیة بعد سرده شروط الاجتهاد المطلق: هذه الشروط یعزّ وجودها فی زماننا فی شخص من العلماء بل لا یوجد فی البسطة الیوم مجتهد مطلق۔ قال حجة الإسلام الغزالی رحمه اللّٰه تعالیٰ فی کتابه الوسیط: وأما شروط الاجتهاد المعتبرة فی القاضی فقد تعذرت فی وقتنا (إلی قوله) وقال الفخر الرازی والرافعی و النووی رحمهم اللّٰه تعالیٰ إن الناس کالمجمعین الیوم علی أنه لا مجتهد۔"

ترجمہ: "اور جمہور اس پر ہیں کہ اجتہادِ مطلق کی مذکورہ شرطیں چوتھی صدی ہجری اور اس کے بعد کے علما میں سے کسی بھی شخص میں نہیں پائی گئیں... شامی علاقوں کے عالم امام ابن ابی الدم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اجتہادِ مطلق کی شرطوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ہمارے زمانے میں علما میں سے کسی بھی شخص میں ان شرطوں کا پایا جانا نادر ہے۔ بلکہ آج روئے زمین پر کوئی مجتہد مطلق موجود نہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب الوسیط میں فرمایا: اور رہی قاضی (مجتہد) میں معتبر اجتہاد کی شرطیں تو بے شک وہ ہمارے زمانے میں متعذر رہو چکی ہیں... امام فخر الدین رازی، امام عبدالکریم رافعی اور امام ابوزکریا نووی رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک لوگ گویا کہ اس پر اجماع کیے ہوئے ہیں کہ اب کوئی مجتہد نہیں۔"

(تهذیب الفروق و القواعد السنیة فی الأسرار الفقهیة، جلد: ۲، صفحہ: ۱۲۱، ناشر: عالم الکتب)

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا:

"أما الاجتهاد فلا یدّعیه الیوم إلا مختلّ العقل و الدین."

ترجمہ: "رہا اجتہاد تو آج اس کا دعویٰ وہی کرے گا جس کی عقل میں اور اُس کے دین میں خلل ہوگا۔"

(حجۃ اللہ علی العالمین، صفحہ: ۵۵۰، ناشر: دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جامعۃ الازہر کی مذاہبِ اربعہ سے بغاوت

سوادِ اعظم اہلِ سنت کا اس امر پر بہت پہلے ہی اتفاق ہو چکا ہے کہ مذاہبِ اربعہ سے خارج کسی بھی قول پر فتویٰ دینا، قاضی کا فیصلہ کرنا بلکہ ذاتی طور پر اُس پر عمل کرنا حرام ہے۔ اس لیے کہ حق ان چار مذاہب ہی میں دائر ہے۔ ان چار مذاہب کے غیر میں حق نہیں ہے۔ مگر چونکہ فی زمانہ عالم عرب میں یہ بیماری عام سے عام تر ہو چکی ہے کہ لوگ آسانی کے نام پر اُن اقوال پر بھی عمل کرتے بلکہ فتوے دیتے ہوئے نظر آتے ہیں جو مذاہبِ اربعہ سے خارج ہیں اور بعض اوقات وہ اقوال شاذ ہوتے ہیں، جن کے برخلاف اجماع منعقد ہو چکا ہوتا ہے۔ بدنصیبی سے اس بدعت کا مرکز مصر کی قدیم اسلامی یونیورسٹی جامعۃ الازہر بن چکا ہے، جہاں سے علم و تحقیق کے نام پر سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے متفقہ نظریے کی خلاف ورزی عام طور پر کی جاتی ہے۔ طلاقِ ثلاثہ کے مسئلے میں ابن تیمیہ کے قول پر فتویٰ دینا، قرآن کو بے وضو چھونے کے مسئلے میں ابن حزم کے قول پر فتویٰ دینا، روافض کی تقلید میں حیض میں طلاق کے عدم وقوع کا فتویٰ دینا، جوان عورت کو غیر مَردوں سے مصافحہ کرنے کی اجازت دینا وغیرہ چند مثالیں ہیں، ورنہ مذہب امامیہ، مذہبِ زیدیہ، مذہبِ ظاہریہ اور مذہبِ اباضیہ کو نا صرف یہ کہ معتبر قرار دیا جاتا ہے بلکہ بہت سے مسائل میں بدمذہبوں کے ان مذاہب پر عمل بھی کیا اور کرایا جاتا ہے۔ اس بات کے ثبوت کے طور پر اختصاراً صرف ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ علمائے ازہر کے درمیان سب سے بڑے فقیہ سمجھے جانے والے، سابق مفتی جمہوریہ مصر، علی جمعہ نے اپنی دو کتابوں میں ازہر کے منہج کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا:

”والمنهج الأزهرى يدرس الأشعرية وهى عقيدة أغلب المسلمين فى مجال الاعتقاد، ويدرس المذهبية السنية بمذاهبها الأربعة الحنفية والمالكية والشافعية والحنابلة، مع عدم إنكاره للاجتهاد الفردى أو الجماعى، ومع عدم إنكاره للأخذ بباقى المذاهب الثمانية المعمول بها كالإباضية والظاهرية والإمامية والزيدية، أو حتى الأخذ من وسيع الفقه الإسلامى من خارج هذه الثمانية فى المذاهب المنقولة فى كتب الفقه وهى تربو على ثمانين مذهباً أو حتى الأخذ من الكتاب والسنة بما يلائم حاجات العصر ومصالح المصر وبما يلائم الانطلاق فى هذا العالم الذى حولنا۔“

ترجمہ: ”اور منہجِ ازہری اشعریت کا درس دیتا ہے، اور یہ اعتقاد کے میدان میں اکثر مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ اور منہجِ ازہری سُنّی فقہی مذہبیت کا اُس کے چار فقہی مذاہب یعنی مذہبِ حنفی، مذہبِ شافعی، مذہبِ مالکی اور مذہب حنبلی کے ساتھ درس دیتا ہے، فردی یا جماعتی اجتہاد سے اپنے عدمِ انکار کے باوجود، اور عمل کیے جانے والے آٹھ مذاہب میں سے باقی مذاہب جیسے مذہبِ اِباضی، مذہبِ ظاہری، مذہبِ اِمامی اور مذہبِ زیدی کو اخذ کرنے سے اپنے عدمِ انکار کے باوجود، حتیٰ کے وسیع فقہِ اسلامی کو یعنی کتبِ فقہ میں منقول وہ مذاہب جو اِن آٹھ مذاہب سے خارج ہیں اور وہ اَسّی مذاہب سے زیادہ ہوتے ہیں، اُن کو اخذ کرنے سے اپنے عدمِ انکار کے باوجود، اور حتیٰ کہ کتاب وسُنت سے اُس حکم کو اخذ کرنے سے اپنے عدمِ انکار کے باوجود جو عصر ومصر کی ضرورتوں کے موافق ہو اور جو

ہمارے گرد کی دُنیا کے تقاضے کے مطابق ہو۔"

(۱) البیان لمایشغل الأذهان، ج:۲، ص:۱۹۰-۱۸۹، ناشر: دار المقطم للنشر والتوزیع، قاہرہ

(۲) المتشددون، ص:۱۵، ناشر: دار المقطم للنشر والتوزیع، قاہرہ

قارئینِ کرام! اس عبارت میں غور فرمائیں۔ جامعۃ الازہر کا خود ساختہ جدید منہج مذاہبِ اربعہ سے خارج اقوال بلکہ بدمذہبوں کے مذاہب کی تقلید کا منکر نہیں۔ حتیٰ کہ کتب فقہ میں منقول صحابہ، تابعین اور بعد والے علما میں سے جو مجتہدین ہوئے بلکہ بدمذہبوں کے پیشواؤں میں سے جو بدمذہبوں میں مجتہدین کہلائے اُن کی تعداد اسّی سے زیادہ ہے، اُن سب کے جو بھی اقوال کتبِ فقہیہ میں منقول ہیں جدید منہجِ ازہر اُن میں سے کسی بھی قول کی تقلید کا منکر نہیں۔ حتیٰ کہ معتزلۂ بغداد اور قدریہ کی ایک جماعت کی طرح براہِ راست کتاب وسنت سے اجتہاد کرنے کا بھی منکر نہیں۔ (العیاذ باللہ) حالانکہ چوتھی صدی ہجری کے بعد مجتہد مطلق کی شرطیں کسی بھی عالم میں جمع نہیں ہوئیں۔

جامعۃ الازہر بلکہ عالم عرب میں رائج اس بدعت وگمراہی میں ہمارے وہ طلبہ بھی پڑ سکتے ہیں جو ازہر کے موجودہ اساتذہ سے حسنِ ظن کی وجہ سے بغرضِ تعلیم وہاں جاتے ہیں اس لیے مناسب ہوگا کہ اس مسئلے میں سوادِ اعظم اہلِ سنت کے متفقہ موقف کو واضح کیا جائے تاکہ لوگ اس بدعت وگمراہی سے محفوظ رہیں۔ اگرچہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ ہے، جس میں ازہر کے موجودہ اساتذہ کے دلائل وشبہات کا تفصیلی ردّ شامل ہوگا۔ مگر سرِ دست اختصاراً سوادِ اعظم اہلِ سُنت کے اجماعی موقف کو یہاں پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مذاہبِ اربعہ کی مخالفت کا حکم

مذہب حنفی کے حوالے سے

علامہ ابن نجیم مصری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۹۷۰ھ) نے تحریر فرمایا:

”مما لا ينفذ القضاء به ما إذا قضى بشيء مخالف للإجماع، وهو ظاهر، وما خالف الأئمة الأربعة مخالف للإجماع، وإن كان فيه خلاف لغيرهم، فقد صرح في التحرير أن الإجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف للأربعة لانضباط مذاهبهم وانتشارها وكثرة أتباعهم.“

ترجمہ: ”اور اُن صورتوں میں سے جن میں قاضی کی قضا نافذ نہ ہوگی یہ ہے کہ جب قاضی اجماع کے مخالف قول پر فیصلہ کرے اور وہ ظاہر ہے۔ اور وہ قول جو ائمۂ اربعہ کے برخلاف ہو وہ (حکم میں) اجماع کے مخالف ہے، اگرچہ اس میں ائمۂ اربعہ کے غیر کا اختلاف ہو۔ اس لیے کہ بے شک تحریر میں محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے صراحت فرمائی کہ ائمۂ اربعہ کے مذاہب کے منضبط اور منتشر ہونے اور اُن کے مقلدین کی کثرت کی وجہ سے مذاہب اربعہ کے مخالف کسی بھی قول پر عمل کرنے کے عدم جواز پر اجماع منعقد ہوا۔ “

(الأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ لابن نجيم، صفحه ۹۲، ناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۱۴۶ھ) نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا:

”قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: اتبعوا السواد

الأعظم۔ ولما اندرست المذاهب الحقة إلا هذه الأربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الأعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الأعظم۔"

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سوادِ اعظم کی پیروی کرو۔ اور جب ان چار مذاہب کے سوا باقی مذاہبِ حقّہ ختم ہوگئے تو اب ان کا اتباع سوادِ اعظم کا اتباع ہے اور ان سے خروج سوادِ اعظم سے خروج ہے۔''

(عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، صفحہ: ۴۱، ناشر: دار الفتح، شارقہ، متحدہ عرب امارات)

علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۲۳۱ھ) نے درّ مختار کے اپنے حاشیے میں تحریر فرمایا:

''وهذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في مذاهب أربعة، وهم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون رحمهم الله تعالیٰ، ومن كان خارجاً عن هذه الأربعة في هذا الزمان فهو من أهل البدعة والنار۔''

ترجمہ: ''اور یہ نجات پانے والی جماعت آج چار مذاہب میں جمع ہو چکی ہے۔ اور وہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ ہیں، رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور اس زمانے میں جو اِن چار مذاہب سے خارج ہوگا تو وہ گمراہوں اور جہنمیوں میں سے ہے۔''

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدّر المختار، جلد: ۴، صفحہ: ۱۵۳، مطبوعہ قدیمہ، مصر)

مذہبِ مالکی کے حوالے سے

علامہ شہاب الدین نفراوی مالکی ازہری رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۱۲۶ھ) نے فقہ مالکی

کی اپنی مشہور کتاب الفواکہ الدّوانی میں تحریر فرمایا:

''وقد انعقد إجماع المسلمين اليوم على وجوب متابعة واحد من الأئمة الأربع: أبي حنيفة ومالک والشافعي وأحمد بن حنبل رضي الله عنهم وعدم جواز الخروج عن مذاهبهم، وإنما حرم تقليد غير هؤلاء الأربعة من المجتهدين، مع أن الجميع على هدى لعدم حفظ مذاهبهم لموت أصحابهم وعدم تدوينها۔''

ترجمہ: ''چار امام یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی ایک کی پیروی کے واجب ہونے پر اور ان کے مذاہب سے خروج کے جائز نہ ہونے پر آج مسلمانوں کا اجماع منعقد ہو چکا۔ اور باوجود اس کے کہ سارے مجتہدین ہدایت پر ہیں، چار اماموں کے سوا دیگر مجتہدین کے ماننے والے اصحاب کی وفات کے سبب اُن کے مذاہب کے محفوظ و مُدَوَّن نہ ہونے ہی کی وجہ سے ائمہ اربعہ کے غیر کی تقلید کرنا حرام ہے۔''

(الفواكه الدّوانى على رسالة ابن أبي زيد القيرواني، ج:۲، ص:۳۵٦، ناشر: دار الفكر، بيروت)

مذہب شافعی کے حوالے سے

علامہ بدرالدین زرکشی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ (م ۷۹۴ھ) نے اصولِ فقہ کی اپنی کتاب میں تحریر فرمایا:

''وقد وقع الاتفاق بين المسلمين على أن الحق منحصر في هذه المذاهب، وحينئذ فلا يجوز العمل بغيرها۔''

ترجمہ: ''اور مسلمانوں کے درمیان اس پر اتفاق ہو چکا کہ حق ان چار مذاہب میں منحصر

ہے لہٰذا اب ان کے غیر پر عمل کرنا جائز نہیں۔"

(البحر المحیط فی أصول الفقہ، جلد:۸، صفحہ:۲۴۲، دار الکتبی)

مذہب حنبلی کے حوالے سے

مشہور حنبلی فقیہ، علامہ شمس الدین ابن مفلح حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۷۶۳ھ) نے اپنی کتاب میں نقل فرمایا:

"أن الإجماع انعقد علی تقلید کل من المذاهب الأربعة وأن الحق لا یخرج عنهم۔"

ترجمہ: "بے شک مذاہب اربعہ میں سے ہر مذہب کی تقلید پر اور اس پر کہ حق مذاہب اربعہ سے خارج نہیں، اجماع منعقد ہو چکا ہے۔"

(کتاب الفروع ومعه تصحیح الفروع، ج:۱۱، ص:۱۰۳، ناشر: مؤسسة الرسالة، بیروت)

بلکہ علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۷۹۵ھ) نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "الرد علی من اتبع غیر المذاهب الأربعة" (اُس کا ردّ جس نے مذاہب اربعہ کے غیر کا اتباع کیا)۔ نام ہی سے کتاب کا موضوع ظاہر ہے۔ اس کتاب میں مصنف علیہ الرحمۃ نے صدیوں پہلے ہی مخالفین کے اُن سارے اعتراضات وشبہات کا مدلل جواب دیا ہے، جن کی بنیاد پر موجودہ ازہر کے اساتذہ نے اپنے اس خود ساختہ عقیدے کا شیش محل کھڑا کیا ہے۔ یہ کتاب عرب ممالک میں متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔

بغیر تقلید کے عمل کرنے کا حکم

ابھی ہم نے علامہ سید ابوبکر دمیاطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے تقلید کی جو تعریف نقل کی، جس کا ترجمہ ہے:

''اور تقلید سے متعلق حاصلِ کلام یہ ہے کہ تقلید مجتہد کے قول کو بغیر اُس کی دلیل کی معرفت کے اخذ کرنا اور اُس پر عمل کرنا ہے، اور تقلید کا لفظ بولنے کی حاجت نہیں بلکہ جب عمل کرنے والا اس بات کو دل میں بٹھائے کہ اُس کا عمل فلاں امام کے قول کے موافق ہے تو بے شک اُس نے اُس امام کی تقلید کر لی۔''

(إعانة الطالبين علی حل ألفاظ فتح المعين، جلد:۳، صفحہ: ۲۴۹، ناشر: دار الفکر، بیروت)

تقلید کی مذکورہ تعریف میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تقلید کی صحت کے لیے اخذ اور عمل دونوں ضروری ہیں۔ یعنی مقلد پہلے قولِ امام کو معلوم کر کے اُسے قبول کرے پھر اُس پر عمل کرے تب تقلیدِ شرعی کا تحقق ہوگا۔ اگر وہ بغیر اخذ کیے عمل کرے مثلاً جہالت میں اپنی سمجھ سے یا لوگوں کی دیکھا دیکھی عمل کرے تو تقلید کا فرض ادا نہ ہوگا اور وہ فرض علم حاصل نہ کرنے اور تقلید کے ترک کے سبب گناہ گار ہوگا۔ اگرچہ اُس کا وہ عمل اُس کے امام کے مذہب کے موافق ہو، اس لیے کہ یہ موافقت اتفاقی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ کیا اُس کا وہ عمل صحیح ہے؟ تو اس کے جواب میں تحقیق یہ ہے کہ اگر اُس کا وہ عمل کسی معتبر امام کے مذہب کے موافق ہو جائے تو وہ عمل صحیح ہے اور اگر وہ عمل کسی بھی امام کے نزدیک صحیح نہ ہو تو بالاجماع باطل ہے۔ اسی طرح اگر اُس کے عمل کا کسی معتبر مذہب کے موافق ہونا معلوم نہ ہو

تو ایسی صورت میں بھی اُس کا وہ عمل باطل قرار دیا جائے گا۔ اس لیے کہ بغیر تقلید کے عمل میں اصل عدمِ موافقت ہے۔ یہی مراد ہے اُن فقہا کی جنہوں نے بغیر تقلید کے عمل کو مطلقاً باطل کہا ہے۔ اور جیسا کہ گزرا کہ مذاہبِ اربعہ ہی معتبر ہیں، اُن کے سوا دوسرے مذاہب نا تو اتنے مضبوط واسطوں سے منقول ہیں جتنے کہ یہ چار مذاہب ہیں اور نہ ہی مُدَوَّن ہیں لہٰذا مذاہبِ اربعہ سے خارج کسی قول کی موافقت کا کوئی اعتبار نہیں۔ علامہ محمد بن سلیمان کردی مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بُغیۃ المسترشدین میں منقول ہے:

''صرح الأئمة بأنه لا يجوز تعاطي ما اختلف فيه ما لم يقلد القائل بحله ، بل نقل ابن حجر وغيره الاتفاق عليه ، سواء كان الخلاف في المذهب أو غيره ، عبادة أو غيرها ، نعم إنما يأثم من قصر بترك تعلم ما لزمه مع الإمكان ، أو كان مما لا يعذر أحد بجهله لشهرته ، ويأثم غير المجتهد بترك التقليد ، نعم إن وافق مذهباً معتبراً ، قال جمع : تصح عبادته و معاملته مطلقاً ، ويظهر من عمل و كلام الأئمة أن العامي حيث عمل معتقداً أنه حكم شرعي و وافق مذهباً معتبراً ، وإن لم يعرف عين قائله صح ما لم يكن حال عمله مقلداً لغيره تقليداً صحيحاً اهـ . (ملخصاً)''

ترجمہ: ''ائمہ نے صراحت فرمائی کہ اُس فعل کا ارتکاب جائز نہیں جس کی حلت و حرمت میں اختلاف ہو، جب تک اُس کی حلت کے قائل امام کی تقلید نہ کی جائے۔ بلکہ امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اتفاق علما نقل کیا۔ عام ازیں کہ اختلاف ایک ہی مذہب میں ہو یا اُس کے غیر میں، خواہ عبادت ہو یا اُس کا غیر۔ ہاں! گناہ گار وہی ہوگا جو اُس علم کے سیکھنے کو

ترک کر کے تقصیر کرے جس کا سیکھنا اُس پر لازم تھا یا مسئلہ ایسا ہو جس سے جہالت کے سبب کسی کو معذور نہ رکھا جائے۔ اور غیر مجتہد تقلید کو ترک کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ ہاں! اگر وہ اپنے اُس فعل میں کسی معتبر مذہب کے موافق ہو تو علما کی ایک جماعت نے کہا کہ اُس کی عبادت اور اس کا معاملہ مطلقاً صحیح ہیں۔ اور ائمہ کے کلام و عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب عامی یہ سمجھ کر کوئی فعل کرے کہ وہ حکم شرعی کے مطابق ہے اور وہ کسی مذہبِ معتبر کے موافق ہو تو اگر چہ وہ اُس مذہبِ معتبر کے اصل قائل امام کو جانتا نہ ہو اُس کا وہ فعل صحیح ہے جب تک کہ وہ اپنے عمل کی حالت میں حلت کے قائل کے غیر کا تقلیدِ صحیح کے ذریعے مقلد نہ ہو۔"

(بُغیۃ المسترشدین، صفحہ: ۲۰، ناشر: دار الفکر، بیروت)

علامہ سید علوی ابن سید احمد سقاف مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا:

"قال السید عمر نقلاً عن ابن زیاد: إن العامی إذا وافق فعله مذهبَ إمامٍ یصح تقلیده صحّ وإن لم یقلده توسعة علی عباد الله تعالیٰ. اھ."

ترجمہ: "سید عمر بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے علامہ وجیہ الدین ابن زیاد زبیدی یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۹۷۵ھ) سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: بے شک جب عامی کا فعل کسی ایسے امام کے مذہب کے موافق ہو جس کی تقلید صحیح ہو (یعنی وہ ائمۂ اربعہ میں سے ہو۔ راقم) تو اگر چہ وہ عامی اس امام کی تقلید نہ کرے، اُس کا وہ فعل صحیح ہے اللہ تعالیٰ کے بندوں پر وسعت کرتے ہوئے۔" (ترشیح المستفیدین، صفحہ: ۴، دار الفکر، بیروت)

معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے کسی عمل کو شریعت کے موافق اور جائز سمجھ کر کرے اور وہ

فعل مذاہبِ اربعہ میں سے کسی مذہب کے کسی قول کے (اگرچہ اُس مذہب میں مرجوح ہو) موافق ہو جائے تو اگرچہ وہ فرض علم حاصل نہ کرنے اور تقلیدِ شرعی کے فریضے کو ادا نہ کرنے کے سبب گناہ گار ہو گا مگر اُس کا وہ عمل صحیح ہے لہٰذا خاص اُس عمل کی وجہ سے اُسے فاسق کہنا یا اُس پر طعن و تشنیع کرنا یا نہی عن المنکر کرنا جائز نہیں۔ یہی مراد ہے فقہا کے اس قول کی کہ اختلافی مسائل میں کسی کو فاسق کہنا جائز نہیں۔ مگر جو شخص کسی مختلف فیہ فعل کو حرام جان کر کرے تو وہ گناہ گار ہے، اُس پر فسق کا حکم لگے گا، اور اُس پر نہی عن المنکر کرنا واجب ہو گا۔

چنانچہ امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۹۷۴ھ) نے تحریر فرمایا:

"ویجب الإنکار علی معتقد التحریم وإن اعتقد المنکر إباحته، لأنه یعتقد أنه حرام بالنسبة لفاعله باعتبار عقیدته۔"

ترجمہ: "اور مختلف فیہ فعل کو حرام سمجھ کر کرنے والے پر انکار واجب ہے اگرچہ انکار کرنے والا اُسے جائز سمجھتا ہو، اس لیے کہ انکار کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ فعل فاعل کے اعتقاد کے اعتبار سے اُس فاعل کی طرف نسبت کرتے ہوئے حرام ہے۔"

(تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج، جلد:۹، صفحہ:۲۱۸، ناشر: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر)

معلوم ہوا کہ جب فقہا کسی مختلف فیہ حرام فعل کے مرتکب پر بغیر کسی تفصیل وقید کو بیان کیے مُطلقاً فسق کا حکم لگاتے ہیں تو اُن کی یہی مُراد ہوتی ہے کہ اگر اُس فعل کو کرنے والا اُسے حرام جان کر کرے تو وہ گناہ گار ہے اور اگر اُس پر مُصر ہو تو فاسق ہے۔

مسلک اعلیٰ حضرت اور اختلافی مسائل میں اِعتدال کی راہ

(۱) اعلیٰ حضرت، امامِ اہل سُنت، مجدد دین وملت، امام احمد رضا محدثِ بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۱۳۴۰ھ) نے فتاویٰ رضویہ میں متعدد جگہ "الحَدِيقَةُ النَّدِية" کی اس عبارت کو استدلال کے طور پر نقل کیا اور اس پر اعتماد فرمایا:

"المسألة متى أمكن تخريجها على قول من الأقوال في مذهبنا أو مذهب غيرنا فليست بمنكر يجب أنكاره والنهي عنه، وإنما المنكر ما وقع الإجماع على حرمته والنهي عنه۔ انتهى ملخصاً۔"

ترجمہ: "جب کسی مسئلے کے جواز کی تخریج ہمارے مذہب یا ہمارے غیر کے مذہب کے اقوال میں سے کسی قول پر ممکن ہو تو یہ وہ منکر نہیں جس پر انکار کرنا اور اُس سے روکنا واجب ہے۔ بلکہ منکَر تو وہی ہے جس کی حرمت پر اور اُس سے نہی پر اجماع واقع ہو۔"

(فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد:۹، صفحہ:۵۳۲، ناشر: رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ، لاہور)

معلوم ہوا کہ کوئی ایسا فعل جو ہمارے نزدیک حرام ہو اور وہ ہمارے مذہب میں کسی قول کے مطابق اگرچہ وہ قول ضعیف ہو جائز قرار پاتا ہو یا کسی اور مذہب کے کسی قول کے مطابق وہ جائز قرار پاتا ہو تو اگر کوئی شخص اُس فعل کو جائز سمجھ کر کرے تو خاص اُس فعل کی وجہ سے اُس پر طعن وتشنیع کرنا، اُسے گناہ گار و فاسق کہنا اور نہی عن المنکر کرنا جائز نہیں۔ بشرطے کہ وہ قول اس قدر سخت ضعیف نہ ہو کہ کالعدم کی منزل میں ہو۔ اس شرط کا بیان آگے آئے گا۔

(۲) چنانچہ امام اہل سنت، مجدّدِ دین وملت، امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ سے بعض علاقوں میں عوام کی طرف سے جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان آواز کے ساتھ دُعا مانگنے کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب میں مذہب معتمد مفتی بہ جو قول امام اعظم ہے اسے پیش کیا کہ خطبوں کے دوران آواز سے ذکر ودُعا کرنا ناجائز وگناہ ہے اور اس کے برخلاف دوسرے علما کے اقوال بھی ذکر کیے مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

''علمائے محتاطین تو ایسے مسائل اجتہادیہ میں انکار بھی ضروری و واجب نہیں جانتے نہ کہ عیاذاً باللہ نوبت تا بہ تضلیل واکفار۔ سیّدی عارف باللہ محققِ نابلسی کتاب مذکور (الحدیقۃ الندیۃ) میں فرماتے ہیں:

''إن المسئلة الواقعة كما هي الأن في جوامع بلادنا وغيره يوم الجمعة من الموذنين متى أمكن تخريجها على قول من الأقوال في مذهبنا أو مذهب غيرنا فليست بمنكر يجب إنكاره والنهي عنه وإنما المنكر ماوقع الإجماع على حرمته والنهي عنه.''

ترجمہ: ''بے شک کوئی درپیش ہونے والا مسئلہ مثلاً اب ہمارے شہروں وغیرہ کی جامع مساجد میں جمعہ کے دن مؤذنین کی طرف سے (خطیب کی دُعا پر آمین بالجہر کہنا) جب اُس کے جواز کی تخریج ہمارے مذہب یا ہمارے غیر کے مذہب کے اقوال میں سے کسی قول پر ممکن ہو تو یہ وہ منکر نہیں جس پر انکار کرنا اور اُس سے روکنا واجب ہے۔ بلکہ منکر تو وہی ہے جس کی حرمت پر اور اُس سے نہی پر اجماع واقع ہو۔'' (فتاوی رضویہ مترجم، جلد:۸، صفحہ:۴۸۴، ناشر: رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(۳) فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۷ صفحہ ۱۱۹ پر تحریر فرمایا:

"ولا تفسيق بالاجتهاديات"

ترجمہ: ''در اجتہادی مسائل میں کسی کو فاسق کہنا جائز نہیں۔''

(۴) فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۲۹ صفحہ ۱۰۸ پر تحریر فرمایا:

''اجتہادی مسائل میں کسی پر طعن بھی جائز نہیں نہ کہ معاذ اللہ ایسا خیال، (کہ گمراہ یا کافر کہا جائے۔)''

(۵) فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۲۳ صفحہ ۱۷۴ پر امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحفہ اثنا عشریہ کی اس عبارت کو نقل فرما کر اُس پر اعتماد فرمایا:

''ہر کہ باوجودِ ایں ہمہ قولِ جازم نماید بے باک و بے احتیاط است، وہمیں ست شانِ محتاطین از علماے راسخین، کہ در اجتہاداتِ مختلف فیہا جزم بأحد الطرفین نمی کنند۔''

ترجمہ: ''جو کوئی ان تمام باتوں کے باوجود کسی ایک طرف پختہ یقین دکھائے تو وہ بے باک، نڈر اور بے احتیاط ہے۔ پس راسخ علما اور محتاط حضرات کی یہی پہچان ہے کہ وہ مختلف اجتہادی مسائل میں کسی ایک طرف یقین نہیں رکھتے۔''

(۶) قبر کے طوافِ تعظیمی کے بارے میں فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۲۲، صفحہ ۳۸۵ پر سیف اللہ المسلول، معین الحق، مولانا شاہ فضلِ رسول بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۲۷۹ھ) کی فارسی کتاب بوارقِ محمدیہ کی یہ عبارت منقول ہے:

''وکراہتِ ایشاں مختلف فیہ بین الفقہاء، وہمچو امور باعثِ نکیر ونفریں بر مرتکبین ہم نمی تواند شد چہ جائے تکفیر۔ چراکہ بسیارے از اکابر تصریح بجوازِ آں کردہ اند، گو نزدِ جماعتے رجحان بجانبِ عدمِ استحسان است، وفقیر ہم بہمیں مسلک سالک است۔''

ترجمہ: ''ان چیزوں کی کراہت عند الفقہا مختلف فیہ ہے۔ یعنی ایک اختلافی چیز ہے۔ اور

اس قسم کے امور موجب انکار، اور ارتکاب کرنے والوں پر طعن و تشنیع بھی نہیں ہو سکتے، چہ جائیکہ ان کی تکفیر کی جائے، کیوں؟ اس لیے کہ بہت سے اکابر نے اس کے جائز ہونے کی تصریح کی ہے۔ گو ایک گروہ کا عدم استحسان کی طرف رجحان اور میلان ہے۔ اور یہ فقیر بھی اسی مسلک کے مطابق گامزن ہے۔"

یہ عبارت اگرچہ سائل نے سوال میں نقل کی ہے مگر جواب میں سیّدی اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس عبارت پر کوئی جرح نہیں فرمائی، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اختلافی مسائل میں انکار سے متعلق آپ کا بھی یہی موقف ہے۔ اس عبارت میں انکار اور طعن و تشنیع کے عدم جواز کی علت اکابر کا جواز کی تصریح فرمانا بتایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی حرام فعل کے جواز کی تصریح بعض بزرگوں سے ثابت ہو تو اگرچہ مسئلہ ایک ہی مذہب کے فقہا کے درمیان مختلف فیہ ہو یا دو فقہی مذاہب مثلاً مذہبِ حنفی اور مذہبِ شافعی کے درمیان اختلاف ہو، جواز کے قائل پر طعن و تشنیع کرنا یا تفسیق و نکیر کرنا جائز نہیں۔ یہی **مسلکِ اعلیٰ حضرت** ہے۔

تنبیہ: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی قبر کی تعظیم کی غرض سے اُس قبر کا طواف کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی تعظیمِ قبر کی نیت سے طواف نہ کرے بلکہ قبر کے گرد گھومنے سے حصولِ برکت وغیرہ کی نیت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

"بالجملہ اگر طواف مقصود بالذات نہیں جب تو جواز ظاہر ہے اور اگر مقصود بالذات ہے تو صرف فرق نیات ہے۔ اگر بہ نیت تعظیم قبر ہے تو بلاشبہہ حرام ہے اور تبرک و استفاضہ وغیرہما نیات محمودہ سے ہے تو فی نفسہ اس میں حرج نہیں اور یہ ٹھہرا لینا کہ اس میں مسلمان کی نیت طواف سے تعظیم قبر ہے قلب پر حکم ہے اور یہ غیب کا ادعا اور محض حرام ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ مترجم، ۲۲/ ۹۹ ۳، ناشر: رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ماضیٔ قریب میں اکابر علما کے درمیان فقہی اختلاف

شارحِ بخاری، فقیہ اعظم ہند، حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۴۲۱ھ) کے مجموعۂ فتاوی مسمّٰی فتاوی شارحِ بخاری جلد اوّل کے شروع میں شارحِ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاوی کے تعارف میں ایک مضمون چھپا ہے جس میں ''اختلافی مسائل میں اعتدال کی روش'' کے عنوان کے تحت شارحِ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے اسی بات کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ فروع میں اختلاف رحمت ہے اور اختلافی مسائل میں ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کرنا جائز نہیں۔ مضمون کے اس حصّے کی افادیت کے پیشِ نظر قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے اسے یہاں پر من وعن نقل کیا جاتا ہے:

مزامیر کے ساتھ قوالی سُننا

کان پور کے ایک صاحب نے آپ سے یہ سوال کیا کہ مزامیر حرام ہیں، حرام کام کا مرتکب پکا فاسق فاجر ہے۔ حرمت کے ثبوت میں انھوں نے بخاری شریف کی ایک حدیث، ہدایہ، فوائد الفؤاد اور مکتوباتِ شیخ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات پیش کی ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

''اب غور کیجیے کہ مزامیر مُطلقاً حرام ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے حلال ہیں اس کے باوجود ان کی خلافت واجازت باقی رہنا کیا معنی؟''

جواب میں حضرت نائبِ مفتی اعظم نے پہلے عدل کے تقاضے کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی ہے، پھر انھیں اس بات کی طرف متوجہ کیا ہے کہ کچھوچھہ شریف کے علما مزامیر کے ساتھ قوالی سُنتے تھے جیسے شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں رحمۃ اللہ

علیہ، ان کے فرزندِ ارجمند محبوب المشائخ حضرت مولانا احمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اور یہ بات حضرت مجدد اعظم کے علم میں تھی۔ اس کے باوجود ان دونوں بزرگوں کی اعلیٰ حضرت تعظیم وتکریم فرماتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کی عادتِ کریمہ تھی کہ وہ کسی فاسق کی تعظیم نہیں کرتے تھے، امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے کبھی غفلت نہیں برتتے تھے۔ آپ اس رُخ پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔

اس کے بعد آپ نے سائل کی خطا اور اس مسئلے کی حقیقت پر یوں روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں:

''بات یہ ہے کہ جب کسی مسئلے میں خود علمائے اہلِ سُنت میں اختلاف ہو تو یہ درست نہیں کہ ایک دوسرے کو فاسق کہیں، یہاں یہی معاملہ ہے۔ حضراتِ کچھوچھہ مقدسہ ہمارے معتمد علمائے اہلِ سُنت ہیں، وہ مزامیر کے ساتھ قوالی کو جائز کہتے ہیں۔ ان کا فرمانا یہ ہے کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے: إن الملاهي كلها حرام. ''ملاہی'' ان آلات کو کہتے ہیں جو لہو ولعب کے ہوں، اس بنا پر ان کا کہنا ہے کہ لہو ولعب مزامیر سُننا حرام ہے لیکن اگر کسی مقصد صحیح کے لیے سُنا جائے جو عند الشرع مطلوب ہو تو جائز ہے۔ اگرچہ ان کا یہ کہنا اس لیے صحیح نہیں کہ احادیث کریمہ میں مزامیر اور معازف کو مطلقاً حرام فرمایا ہے، اور کسی معنی میں تخصیص عقل سے جائز نہیں مگر مجوزین بھی معتمد علما میں سے ہیں اور وہ بتاویل اس کو جائز کہتے ہیں، اس لیے ان کی تفسیق جائز نہیں، البتہ ان کے قول کا ردّ کیا جائے گا، بناءً علیہ جو سُنی علما ومشائخ مزامیر کے ساتھ قوالیاں سُنتے ہیں ان کو فاسق کہنا درست نہیں۔'' (فتاویٰ شارحِ بخاری)

(فتاویٰ شارحِ بخاری، جلد اوّل، ص: ۶۷، ناشر: دائرۃ البرکات، گھوسی، ضلع مئو، یو، پی)

اس مضمون کو آگے پیش کرنے سے پہلے یہاں پر ایک بات کی وضاحت کرنا مناسب ہوگا کہ بعض فقہا نے سماع کے جواز کے لیے پانچ شرطیں لگائی ہیں۔ مگر یہ شرطیں

اجماعی نہیں ہیں بلکہ بہت سے مجوّزین کے نزدیک یہ شرطیں اولویت کی ہیں، لازمی نہیں ہیں۔ جیسا کہ علامہ عطا محمد بندیالوی اور علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما مجوّزین علما کے رسائل کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عوام ان شرطوں کو پورا کرنے سے قاصر ہیں مگر اس کے باوجود شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک فتوے میں مزامیر کے ساتھ قوالی سُننے والی عوام سے حکمِ فسق کی نفی فرمائی، چنانچہ تحریر فرمایا:

''قوالی مع مزامیر ہمارے نزدیک ضرور حرام وناجائز وگناہ ہے۔ بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے۔ اگرچہ وہ لائقِ التفات نہیں۔ مگر اس نے ان مبتلاؤں کو حکمِ فسق سے بچا دیا ہے جو ان مخالفین کے قول پر اعتماد کرتے اور جائز سمجھ کر مرتکب ہوتے ہیں۔ (ملخصاً)''

اس فتوے سے عام لوگوں کو سماع بالمزامیر کی ترغیب نہ ہو، اس لیے فوراً فرمایا:

''اگرچہ شرعاً ان پر اب دوہرا الزام ہے ایک ارتکابِ حرام کا، دوسرا اسے جائز سمجھنے خلافِ قولِ صحیح جمہور چلنے کا۔'' (فتاویٰ مصطفویہ، صفحہ:۴۵۶)

سرکار مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا آخر میں اس دوہرے الزام کو ذکر کرنا موصوف کی شانِ فقاہت اور فتویٰ نویسی میں کمال کی ایک بہترین مثال ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ دونوں الزام جائز سمجھ کر مبتلا ہونے والوں کو گنہگار یا فاسق ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں، اسی لیے حضور مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حکمِ فسق نہیں لگایا۔

چاند پر انسان کا پہنچنا شرعاً ممکن ہے یا نہیں؟

اس سلسلے میں حضرت صدر العلما مولانا غلام جیلانی میرٹھی اور نائب مفتی اعظم ہند رحمہما اللہ تعالیٰ کے مابین اختلاف واقع ہوگیا۔ اس پس منظر میں حضرت نائب مفتی اعظم ہند نے یہ تحریر فرمایا:

"یہ لابدی امر ہے کہ جب ایک ہی موضوع پر دو مختلف رائیں قائم کی جائیں گی تو اپنے اپنے استدلال میں کسی نہ کسی نقطے پر تصادم لازم ہے اور یہی ہوا۔ صحیح النظر میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ "چاند کا پہلے آسمان میں ہونا علمائے شریعت کے نزدیک متفق علیہ ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔" یہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے، صریح خلاف، میں نے اس غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے یہی میرا وہ جرم ہے جس کی سزا میں "صحیح المسلک" کے تلخ و ترش شیریں کلماتِ طیبات سے نوازا گیا ہوں۔

سرِ بندات سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ورنہ کسی غیر قطعی مسئلے میں اختلاف ایسی چیز نہیں کہ اگر کوئی نیاز مند انجانے میں یا جان بوجھ کر بھی اختلاف رائے کی جرأت کرے تو اس پر اتنا غیظ و غضب فرمایا جائے۔ حضرت علامہ صاوی نے تو اس قسم کے اختلاف کو رحمت بتایا ہے۔ فرماتے ہیں: "**التفریق المذموم إنما هو فی العقائد لا فی الفروع فإنه رحمة للعباد.**" (ج:۱، ص:۱۵۲)

"اختلافِ مذموم صرف وہ ہے جو عقائد میں ہے فروع میں مذموم نہیں، یہ بندوں کے لیے رحمت ہے۔" اور یہی مشہور و معروف حدیث "**اختلاف أمتی رحمة**" کے ظاہر عموم منطوق ہے۔

عہدِ صحابہ سے لے کر آج تک ہر طبقہ، ہر قرن میں اس کی مثالیں ملیں گی کہ اکابر نے اصاغر سے، اصاغر نے اکابر سے اختلاف رائے کیا۔ قدیم امثلہ کو جانے دیجئے، اس عہد کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

صدر الافاضل، فخر الاماثل حضرت مولانا الحاج شاہ سید نعیم الدین صاحب قُدِّس سرُّہ نے بعض مسائل میں امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے اختلاف کیا ہے، مثلاً قنوتِ نازلہ میں دُعائے قنوت قبلِ رکوع ہے یا بعد رکوع؟ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا فتویٰ ہے

کہ قبلِ رکوع اور صدر الا فاضل قدس سرہ کا فتوی ہے کہ بعد رکوع۔ اور خود حضرت والا (حضرت علامہ سید غلام جیلانی علیہ الرحمۃ) نے بھی اس مسئلے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بجائے حضرت صدر الا فاضل رحمۃ اللہ علیہ کے اتباع کی وجہ سے حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کے رسالۂ مبارکہ ''التحقیق الکامل'' پر اعتراضات کی ایک لمبی فہرست بھیجی تھی، معلوم نہیں اب یاد بھی ہے یا نہیں۔ میں نے حضور والا سے اختلاف رائے کیا تو یہ بھی حضور والا کی ایک طرح کی اتباع ہے، اپنی ہی سُنّت کے عامل پر یہ چشم عنایت کیا معنیٰ؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا فتویٰ ہے کہ سِیپ کا چونا کھانا حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد دوم، ص:۱۰۷) مگر علمائے بہار سیپ کا چونا کھانا حلال جانتے ہیں، کھاتے ہیں، بعض حضرات نے اس کی حلت کا فتویٰ بھی تحریر فرمایا ہے۔

اعلیٰ حضرت کا فتویٰ ہے کہ مزامیر کے ساتھ قوالی مطلقا ناجائز ہے مگر ہمارے اکابر اہلِ سنت کا ایک طبقہ اسے جائز جانتا ہے اور نہ صرف جائز جانتا ہے بلکہ سلوک میں مُمِدّ ومُعاوِن جان کر سُنتا بھی ہے اور سناتا بھی ہے۔

مگر یہ سب اختلاف کبھی بھی آپس میں سبّ وشتم اور اس ذوق کی تسکین کا باعث نہ ہوئے جو حضور والا کے ''صحیح المسلک'' میں جگہ جگہ جھلک رہا ہے بلکہ تمام اُمت شاہد ہے کہ اس قسم کے اختلاف کے باوجود آپس میں محبت ومؤدّت بلکہ عقیدت کے روابط ہمیشہ باقی رہے ہیں، اور ان شاء اللہ باقی رہیں گے۔ (اسلام اور چاند کا سفر، ص:۸ تا ۱۰/ملخصاً)"

(فتاویٰ شارحِ بخاری، جلد اوّل، ص:۶۸ تا ۶۹، ناشر: دائرۃ البرکات، گھوسی، ضلع مئو، یو، پی)

فقہاے شافعیہ کے نزدیک اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ

جب یہ بات واضح ہے کہ زیر بحث مسئلے میں اہلِ سنت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے تو اس کی وضاحت کے لیے محض امام اہلِ سُنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ یا کسی بھی ایک مستند سُنّی عالم کا حوالہ کافی ہے۔ مگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ مذاہبِ اربعہ کی مستند کتب سے اس مسئلے کی مزید وضاحت ہو جائے تا کہ دیگر مذاہب کے لوگوں کے لیے بھی یہ اطمینانِ قلبی کا باعث ہو۔ چونکہ اس موضوع پر سب سے زیادہ تفصیل فقہاے شافعیہ کی کتب میں ملتی ہے اور یہ تفصیل قواعدِ مذہبِ حنفی کے منافی نہیں، اس لیے مناسب ہوگا کہ ہم حنفی مذہب کی وضاحت کے بعد مذہب شافعی کی تحقیق پیش کریں۔ چنانچہ محرّرِ مذہبِ شافعی، امام ابو زکریا یحییٰ بن شرَف نووی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۶۷۶ھ) نے فقہِ شافعی کی اپنی مشہور و مستند کتاب ''روضۃ الطالبین'' میں تحریر فرمایا:

''قال أصحابنا: وإنما يأمر وينهى من كان عالما بما يأمر به وينهى عنه، وذلک يختلف بحسب الأشياء، فإن كان من الواجبات الظاهرة، والمحرمات المشهورة، كالصلاة والصيام والزنى والخمر ونحوها، فكل المسلمين علماء بها، وإن كان من دقائق الأقوال والأفعال، ومما يتعلق بالاجتهاد، لم يكن للعوام الابتداء بإنكاره، بل ذلک للعلماء، ويلتحق بهم من أعلمه العلماء بأن ذلک مجمع عليه، ثم العلماء إنما ينكرون ما أجمع على إنكاره، أما المختلف فيه فلا إنكار فيه؛ لأن كل مجتهد مصيب، أو

المصيب واحد ولا نعلمه، ولا إثم على المخطئ، لكن إن ندبه على جهة النصيحة إلى الخروج من الخلاف، فهو حسن محبوب، ويكون برفق؛ لأن العلماء متفقون على استحباب الخروج من الخلاف إذا لم يلزم منه إخلال بسنة ثابتة، أو وقوع في خلاف آخر، (إلي قوله) ولم يزل الخلاف بين الصحابة والتابعين في الفروع، ولا ينكر أحد على غيره مجتهدا فيه، وإنما ينكرون ما خالف نصا، أو إجماعا، أو قياسا جليا.‘‘

ترجمہ: ’’ہمارے اصحاب نے فرمایا: امر و نہی وہی کرے جو اُس مسئلے کا عالم ہو جس میں وہ امر و نہی کرے گا۔ اور یہ حکم مسائل کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ لٰہذا اگر معروف واجباتِ ظاہرہ اور منکر محرّماتِ مشہورہ سے ہو مثلاً نماز و روزہ اور شراب، زنا اور اسی کے مثل تو ہر مسلمان (خواہ عامی ہو) ان چیزوں کا عالم ہے۔ اور اگر معروف و منکر دقیق اقوال و افعال سے ہوں اور اُن مسائل میں سے ہوں جو اجتہاد سے متعلق ہیں (یعنی اختلافی مسائل ہوں) تو عوام کے لیے اُن پر انکار کی ابتدا جائز نہیں بلکہ یہ علما کے لیے جائز ہے۔ اور عوام میں سے وہ لوگ علما میں شامل ہیں جنہیں علما یہ بتائیں کہ یہ فعل مجمع علیہ ہے۔ پھر علما بھی اُسی حرام فعل پر انکار کریں جن کے منکر ہونے پر اجماع کیا گیا ہو۔ پھر رہا مختلف فیہ نا جائز فعل تو اُس پر انکار کرنا جائز نہیں اس لیے کہ (قول مرجوح کے مطابق) ہر مجتہد درستگی کو پانے والا ہے یا (قول راجح کے مطابق) درستگی کو پانے والا تو ایک ہے مگر ہم اُسے یقین سے جانتے نہیں اور خطا کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں (بلکہ وہ بھی اجر پاتا ہے۔) لیکن اگر وہ اُسے نصیحت کے طور پر اختلاف سے نکلنے کی دعوت دے تو یہ اچھا پسندیدہ کام ہے جب کہ یہ نرمی کے ساتھ ہو۔ اس لیے کہ علما اختلاف سے نکلنے کے مستحب ہونے پر متفق ہیں اس شرط پر کہ

اس سے کسی ثابت شُدہ سُنّت کا ترک یا کسی دوسرے اختلاف میں پڑنا لازم نہ آئے۔۔۔ اور صحابہ اور تابعین علیہم الرضوان میں ہمیشہ فروع میں اختلاف رہا ہے مگر کوئی دوسرے پر اجتہادی مسئلے میں انکار نہیں کرتا، بلکہ یہ حضرات اُسی حرام فعل پر انکار کرتے جو نص یا اجماع یا قیاسِ جلی کے برخلاف ہوتا۔"

(روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، کتاب السیر، جلد ۱۰، صفحہ ۲۲۰-۲۱۹، ناشر: المکتب الاسلامی، بیروت)

امام نووی رحمـــہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت سے جو باتیں معلوم ہوئیں اُن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) اگر حرام فعل کی حرمت قطعی اور مشہور ہو جسے عوام وخواص سب جانتے ہوں تو اُس پر انکار کرنا عوام وخواص سب کے لیے جائز ہے، مثلاً شراب وزنا وغیرہ۔

(۲) اگر مسئلہ باریک ہو جس کے اجماعی حرام ہونے کی تحقیق سب کو نہیں ہوتی تو ایسے فعل پر انکار کرنے کی اجازت عوام کو نہیں ہے بلکہ یہ علما کا کام ہے۔ سوائے اس کے کہ علما کسی عامی کو یہ خبر دیں کہ فلاں فعل بالاجماع حرام ہے، تو اب اُس عامی کے لیے انکار کرنا جائز ہے۔

(۳) پھر علما کے لیے بھی اُسی فعل پر انکار کرنا جائز ہے جو بالاجماع حرام ہو۔ رہا وہ فعل جس کے جائز وحرام ہونے میں فقہا کا اختلاف ہو، اُس پر انکار کرنا علما کے لیے بھی جائز نہیں، چہ جائے کہ عوام کو اس کی اجازت ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''منہاج الطالبین'' اور اس پر امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۹۷۴ھ) کی شرح تحفۃ المحتاج میں ہے: (مُلخّصاً)

''(ومن فروض الكفاية الأمر بالمعروف) أي: الواجب

(والنهي عن المنكر) أي: المحرم، لكن محله في واجب أو حرام مجمع عليه أو في اعتقاد الفاعل بالنسبة لغير الزوج إذ له شافعيا منع زوجته الحنفية من شرب النبيذ مطلقا والقاضي؛ إذ العبرة باعتقاده كما يأتي، ومقلَّد من لا يجوز تقليده لكونه مما ينقض فيه قضاء القاضي."

ترجمہ: "اور فروضِ کفایہ میں سے واجب کا حکم دینا اور حرام سے روکنا ہے۔ لیکن فرضیت کا محل اُس واجب یا اُس حرام میں ہے جس پر اجماع کیا گیا ہو یا (اگر وہ اختلافی ہو تو) اُس فعل کو کرنے والے کے اعتقاد میں وہ حرام ہو۔ (مگر اختلافی حرام فعل میں فاعل کے اعتقاد میں حرام ہونے کی شرط) (۱) شوہر کے غیر کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ شافعی شوہر کے لیے اپنی حنفی بیوی کو نبیذ پینے سے روکنا مطلقاً جائز ہے۔ اور (۲) قاضی کے غیر کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ اختلافی مسائل میں اعتبار قاضی کے اعتقاد کا ہے جیسا کہ آئے گا۔ اور (۳) اُس شخص کی تقلید کرنے والے کے غیر کی طرف نسبت کرتے ہوئے جس کی تقلید جائز نہیں اُس قول کے اُن اقوال میں سے ہونے کی وجہ سے جن میں قاضی کا فیصلہ نقض کیا جاتا ہے۔"

(تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج، جلد ۹، صفحہ ۲۱۸-۲۱۷، ناشر: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر)

تشریح: اس عبارت سے چند اہم باتیں معلوم ہوئیں:

(الف) گناہ سے روکنا اُسی صورت میں فرض ہے جب وہ گناہ بالاجماع حرام ہو اور اگر وہ اختلافی ہو تو اُس سے روکنے کی فرضیت کے لیے یہ شرط ہے کہ اُس فعل کو خود وہ شخص گناہ سمجھتا ہو جو اُس فعل کا مرتکب ہو رہا ہے۔ لہٰذا جو شخص اختلافی حرام فعل کو جائز سمجھ کر کرے تو

اُس کو روکنا جائز نہیں۔

(ب) اختلافی حرام فعل کے مرتکب کو روکنے کے جائز ہونے کی جو شرط بتائی گئی کہ خود مرتکب اُسے حرام سمجھتا ہو، اس شرط سے تین صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ یعنی تین صورتیں ایسی ہیں کہ اگر اختلافی حرام فعل کا مرتکب اُسے جائز سمجھ کر کرے تب بھی اُس کو روکنا جائز ہے۔

(۱) اگر بیوی کسی ایسے اختلافی حرام فعل کی مرتکب ہو جسے وہ جائز سمجھتی ہو مگر اُس کے شوہر کے اعتقاد میں وہ حرام ہو تو اب شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو روکے۔ مثال کے طور پر حنفی شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی شافعی بیوی کو گوہ کا گوشت کھانے سے روکے۔ اسی طرح شافعی شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی حنفی بیوی کو مور کا گوشت کھانے سے روکے۔ وعلیٰ ھذا القیاس۔

(۲) قاضیِ شرع پر لازم ہے کہ وہ مقدمات کا فیصلہ خود اُس کے مذہب کے قولِ معتمد پر کرے اگرچہ اُس کے پاس آنے والے اُس کے ہم مسلک نہ ہوں۔ مثال کے طور پر شافعی قاضی کے پاس لائے جانے والے اُن میاں بیوی کے نکاح کو باطل قرار دینا قاضی پر لازم ہے جنہوں نے بغیر ولی کے نکاح کیا ہو، اگرچہ دونوں میاں بیوی حنفی ہوں۔ اسی طرح حنفی قاضی اُس نکاح کو صحیح قرار دے گا جس کو ولی کے بغیر کیا گیا ہو، اگرچہ میاں بیوی شافعی ہوں۔

(۳) ایسا قول جس کو اپنانا کسی مجتہد کے لیے بھی جائز نہ ہو، اگر کوئی ایسے قول کو جائز سمجھ کر کرے تب بھی اُس پر انکار کیا جائے گا۔ اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر کوئی مجتہد قاضی اُس قول پر فیصلہ کرے اور وہ مقدمہ دوسرے قاضی کے پاس آئے تو دوسرا قاضی پہلے قاضی کے فیصلے کو باطل قرار دے گا اس لیے کہ وہ قول کتاب اللہ کے یا حدیثِ مشہور کے یا اجماع

کے برخلاف ہوگا۔ حالانکہ اجتہادی مسائل میں کسی قاضی کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے قاضی کے فیصلے کو باطل قرار دے، اگرچہ وہ فیصلہ اُس قاضی کے مسلک کے خلاف ہو جس کے پاس اُسے پیش کیا گیا ہو۔ مگر چوں کہ کتاب اللہ، حدیث مشہور اور اجماع کے خلاف اجتہاد کرنا جائز نہیں اسی لیے ایسے فیصلے کا بھی کوئی اعتبار نہیں جو مذکورہ دلائل کے خلاف ہو۔ اور نہ ہی ایسے قول پر عمل کرنا جائز ہے۔ فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۱۱، صفحہ ۴۸۴ پر ہے:

"در تنویر الابصار است: إذا رفع إليه حکم قاض آخر نفذه إلا ما خالف کتابا أو سنة مشهورة أو إجماعا۔"

ترجمہ: "تنویر الابصار میں ہے کہ جب ایک قاضی کے پاس دوسرے قاضی کا فیصلہ پیش کیا جائے تو اس کو نافذ کرے مگر جب کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع کے خلاف ہو۔"

امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ آگے تحریر فرماتے ہیں:

"ویجب الإنکار علی معتقد التحریم وإن اعتقد المنکر إباحته، لأنه یعتقد أنه حرام بالنسبة لفاعله باعتبار عقیدته فلا إشکال في ذلک، خلافا لمن زعمه، ولیس لعامي یجهل حکم ما رآه أن ینکره حتی یخبره عالم بأنه مجمع علیه أو في اعتقاد الفاعل، ولا لعالم أن ینکر مختلفا فیه حتی یعلم من الفاعل أنه حال ارتکابه معتقد لتحریمه کما هو ظاهر؛ لاحتمال أنه حینئذ قلد من یری حله أو جهل حرمته، أما من ارتکب ما یری إباحته بتقلید صحیح فلا یجوز الإنکار علیه، لکن لو ندب

للخروج من الخلاف برفق فلا بأس."

ترجمہ: ''اور اختلافی حرام فعل کو حرام سمجھنے والے پر انکار واجب ہے اگرچہ انکار کرنے والا اُسے جائز سمجھتا ہو۔ اس لیے کہ انکار کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ فعل فاعل کے اعتقاد کے اعتبار سے اُس فعل کی طرف نسبت کرتے ہوئے حرام ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی اشکال نہیں برخلاف اُس کے کہ جس نے اس مسئلے میں اشکال کا گمان کیا۔ اور کسی ایسے عامی کے لیے جو اُس فعل کے حکم سے جاہل ہو جسے وہ دیکھے جائز نہیں کہ وہ اُس پر انکار کرے یہاں تک کہ کوئی عالم اُسے یہ خبر دے کہ وہ فعل بالاجماع حرام ہے یا (اُسے یہ معلوم ہو کہ وہ فعل) فاعل کے اعتقاد میں حرام ہے۔ اور کسی عالم کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی اختلافی حرام فعل پر انکار کرے حتیٰ کہ وہ اُس کے مرتکب کے بارے میں یہ جانے کہ وہ اُس فعل کو کرنے کے وقت اُسے حرام سمجھتا تھا جیسا کہ ظاہر ہے اس امکان کی وجہ سے کہ مرتکب نے ارتکاب کے وقت اُس امام کی تقلید کی ہو جس کے نزدیک وہ فعل جائز ہو یا اس امکان کی وجہ سے کہ مرتکب ارتکاب کے وقت اُس فعل کی حرمت سے جاہل رہا ہو (اور جہالت میں اُسے جائز سمجھتا ہو تو ایسی صورت میں وہ جہالت کی وجہ سے گناہ گار ہوگا نہ کہ اُس اختلافی فعل کی وجہ سے۔ راقم۔) رہا وہ شخص جو ایسے اختلافی فعل کا ارتکاب کرے جسے وہ تقلید صحیح کے ذریعے جائز سمجھے تو اُس پر انکار کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر اُسے نرمی کے ساتھ اختلاف سے بچ نکلنے کی دعوت دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

(تحفۃ المحتاج بشرح المنہاج، جلد ۹، صفحہ ۲۱۸، ناشر: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر)

امام ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جہالت میں کسی اختلافی حرام فعل کو حلال سمجھ کر کرے تو وہ شخص اُس فعل کی

وجہ سے گناہ گار نہیں ہوگا، لہٰذا اُس فعل پر انکار یا اُس فعل کی وجہ سے تفسیق جائز نہیں۔ اس عبارت کے تحت اس کتاب کے محشی علامہ عبدالحمید شروانی داغستانی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حاشیے میں تحریر فرمایا:

''عبارة ع ش أي لكنه يرشده بأن يبين له الحكم ويطلب فعله منه بلطف. اهـ. وعبارة الروض مع شرحه ويرفق في التغيير بمن يخاف شره وبالجاهل فإن ذلک أدعى إلى قبوله وإزالة المنكر. اهـ.''

ترجمہ: ''علامہ علی شبراملسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ہے: لیکن وہ جاہل کی رہنمائی کرے اس طرح کہ اُسے حکم بتائے اور نرمی کے ساتھ اُس پر عمل کرنے کو کہے۔ اھ۔ روض کی عبارت اُس کی شرح کے ساتھ ہے: اور ازالۂ منکر میں نرمی کا برتاؤ کرے اُس کے ساتھ جس کے شر کا وہ خوف کرے اور جاہل کے ساتھ، اس لیے کہ نرمی کا برتاؤ کرنا جاہل کے قبول کرنے اور منکر کے ازالے میں زیادہ مؤثر ہے۔'' (مرجع سابق)

مذہب مالکی اور اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ

مذہب مالکی کے مشہور فقیہ، علامہ ابوالقاسم بن احمد بُرزُلی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۸۴۱ھ) نے اپنے مجموعۂ فتاویٰ میں تحریر فرمایا کہ شیخ عزّالدین رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو حمام میں داخل ہوتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ حمام میں بعض وہ بھی ہیں جو اپنا ستر کھولتے ہیں تو اس پر جواب دیا:

”یجوز له حضور الحمّام، فإن قدر علی الإنکار أنکر ویکون مأجوراً علی إنکاره، وإن عجز عن الإنکار کره بقلبه ویکون مأجوراً علی کراهته، ویحفظ بصره عن العورات مااستطاع، ولایلزمه الإنکار إلّا فی السوأتین، لأن العلماء اختلفوا فی قدر العورة فقال بعضهم: لا عورة إلّا فی السوأتین، ولایجوز الإنکار علی من قلّد بعض أقوال العلماء، إلّا أن یکون فاعل ذلک معتقداً لتحریمه فینکر علیه، ومازال الناس یقلّدون فی مسائل الخلاف ولاینکر علیهم، ولایجوز للشافعیّ أن ینکر علی المالکیّ ما یعتقد الشافعی تحریمه والمالکی تحلیله، وکذا سائر مذاهب العلماء، اللهم إلّا أن یکون ذلک المأخوذ بعید المأخذ بحیث یجب نقضه فینکر حینئذٍ علی الذاهب إلیه وعلی من یقلّده.اھ.“

ترجمہ: ”اُس کے لیے حمّام کی حاضری جائز ہے۔ پھر اگر وہ حرام فعل کو روکنے پر قادر ہو تو

روکے، اور وہ اپنے روکنے پر اجر پائے گا۔ اور اگر وہ روکنے سے عاجز ہو تو اپنے دل میں بُرا جانے، اور وہ اپنے بُرا جاننے پر اجر پائے گا۔ اور وہ اپنی استطاعت بھر عورات کو دیکھنے سے اپنی نگاہ کی حفاظت کرے۔ اور اُس پر انکار لازم نہیں مگر سَوْأَتین یعنی اگلی اور پچھلی شرمگاہ ہی میں، اس لیے کہ عورت کی مقدار میں علما نے اختلاف کیا تو بعض علما نے فرمایا: سَوْأَتین کے سوا کوئی حصۂ جسم عورت نہیں۔ اور اُس شخص پر انکار جائز نہیں جو علما کے بعض اقوال کی تقلید کرے سوائے اس کے کہ اُس فعل کا مرتکب اُس کو حرام سمجھتا ہو تو اُس وقت اُس پر انکار کیا جائے۔ اور لوگ ہمیشہ اختلافی مسائل میں علما کی تقلید کرتے آئے ہیں، مگر کبھی اُن پر انکار نہیں کیا جاتا۔ اور کسی شافعی کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مالکی پر اُس فعل میں انکار کرے جسے شافعی حرام جانتا ہو جبکہ مالکی جائز جانتا ہو۔ اور یہی حکم تمام مذاہبِ علما کا ہے۔ اللّٰھم مگر جب کہ وہ قول دلیلِ شرع سے اس طرح دور ہو کہ (اگر کوئی مجتہد قاضی اپنے اجتہاد سے اُس قول پر فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ دوسرے قاضی کے پاس لایا جائے تو اُس قول کے کتاب اللہ یا حدیثِ مشہور یا اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے دوسرے قاضی پر) اُس کا نقض واجب ہو تو اب اُس قول کے قائل پر اور اس کی تقلید کرنے والے پر انکار کیا جائے گا۔"

(فتاویٰ البُرزُلی المسمیٰ "جامع مسائل الأحکام لما نزل من القضایا بالمفتیین والحُکام"، ج ۱، ص ۱۳۲، ناشر: دار الغرب الإسلامی)

مذہبِ حنبلی اور اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ

حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۷۹۵ھ) نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا:

''والمنكر الذي يجب إنكاره: ما كان مجمعا عليه، فأما المختلف فيه، فمن أصحابنا من قال: لا يجب إنكاره على من فعله مجتهدا فيه، أو مقلدا لمجتهد تقليدا سائغا. واستثنى القاضي في "الأحكام السلطانية" ما ضعف فيه الخلاف''

ترجمہ: ''اور حرام جس کو روکنا واجب ہے وہ ہے جس پر اجماع کیا جائے، پس رہا مختلف فیہ حرام تو ہمارے اصحاب میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ مختلف فیہ حرام کو اُس شخص سے روکنا واجب نہیں جو اُسے اجتہاد کرتے ہوئے کرے یا کسی مجتہد کی شرعی تقلید کرتے ہوئے کرے۔ اور قاضی ابویعلیٰ نے احکامِ سلطانیہ میں اس مسئلے کا استثنا کیا جس میں اختلاف ضعیف ہو۔ (کہ لااختلاف کی منزل میں ہو۔ راقم۔)''

(جامع العلوم والحکم، صفحہ ۵۳۱، ناشر: دارالفجر، قاہرہ)

خلاصۂ کلام

(۱) اگر کوئی شخص کسی قطعی اجماعی حرام کا ارتکاب حلال سمجھ کر کرے تو وہ کافر ہے کہ قطعی مجمع علیہ کا انکار فقہا کے نزدیک کفر ہے۔ اگرچہ متکلمین تکفیر کے لیے ضروری دینی کے انکار کی شرط لگاتے ہیں۔ مثلاً زنا، شراب نوشی وغیرہ۔

(۲) اگر کوئی شخص اجماعی حرام کا ارتکاب حرام سمجھ کر کرے تو وہ کافر نہیں بلکہ گنہگار و فاسق ہے۔ اور اُس پر انکار کرنا یعنی گناہ سے روکنا فرضِ کفایہ ہے۔ مثلاً حرام جان کر زنا کرنے والا کافر نہیں بلکہ فاسق ہے اور اُس پر انکار فرضِ کفایہ ہے۔

(۳) اگر کوئی شخص کسی ایسے حرام کا ارتکاب کرے جس کی حرمت میں علمائے اہلِ سُنّت کا اختلاف ہو، تو اگر وہ اُسے حرام سمجھ کر کرے تو وہ گنہگار ہے، اُس پر انکار فرضِ کفایہ ہے اگرچہ انکار کرنے والا اُس کی حلت کا قائل ہو۔ مثلاً: جاندار کی ویڈیو گرافی، تمبا کو نوشی، سماع بالمزامیر، نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال، کتابتِ نسواں، بالوں پر کالا خضاب لگانا وغیرہ مسائل کی حلت و حرمت پر علمائے اہلِ سُنّت و جماعت کا اختلاف ہے۔ لہٰذا کوئی شخص مثلاً جاندار کی مووی کو حرام جان کر بنا یا بنوا رہا ہو تو وہ گنہگار و فاسق ہے اور اُس پر انکار فرضِ کفایہ ہے۔ اگرچہ انکار کرنے والا مووی بنانے کو جائز سمجھتا ہو، بلکہ خود بھی بناتا ہو۔ چونکہ انکار کرنے والا اس مختلف فیہ مسئلے میں جواز کا قائل ہے، اس لیے یہ اُس کے لیے جائز ہے لیکن جو اسے حرام سمجھتا ہے اُس کے لیے مووی بنانا حرام ہے اور مختلف فیہ کو حرام جان کر کرنے والا گنہگار ہے لہٰذا اُس پر انکار لازم ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص کسی مختلف فیہ حرام کا ارتکاب حلال سمجھ کر کرے تو وہ نہ کافر ہے اور نہ

ہی فاسق، لہٰذا اُس پر انکار کرنا یا اُسے فاسق کہنا جائز نہیں، بلکہ اُس فعل کو حرام سمجھنے والے کے لیے بھی مرتکب پر انکار و تفسیق جائز نہیں۔ اس لیے کہ مختلف فیہ حرام کو حرام جاننے کی وجہ سے حرمت کے قائل کے لیے اُس کا ارتکاب اگرچہ حرام ہے مگر چونکہ حلت کا قائل اُسے جائز سمجھتا ہے اس لیے اُس پر انکار جائز نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ویڈیو گرافی کروائے یا مزامیر کے ساتھ قوالی سُنے اور ان مسائل میں وہ جواز کا قائل ہو تو اُس کے اعتقادِ جواز کی وجہ سے مووی اور سماع بالمزامیر اُس کے لیے جائز ہیں، اسی لیے اُس پر انکار کرنا یا اُس کی تفسیق کرنا جائز نہیں، اگرچہ انکار کرنے والا ان مسائل میں حرمت کا قائل ہو۔ ہاں! اگر ان مسائل میں حرمت کا قائل اپنے اعتقادِ حرمت کے باوجود مرتکب ہو تو وہ گنہگار ہے اور اُس پر انکار کرنا فرضِ کفایہ ہے، اگرچہ انکار کرنے والا حلت کا قائل ہو۔

عوام کی ایک مشکل اور اس کا حل

فی زمانہ عوام کی طرف سے اکثر یہ پوچھا جاتا ہے کہ فلاں مسئلے میں فلاں سُنّی مفتی صاحب کا فتوی جواز کا ہے، جب کہ اسی مسئلے میں دوسرے فلاں سُنّی مفتی صاحب کا فتویٰ عدم جواز کا ہے۔ اب اس اختلاف کی صورت میں ہم لوگ پریشان ہیں کہ آخر کہاں جائیں اور کس کی سُنیں؟؟ حالانکہ یہ اختلاف ایسا نہ تھا کہ عوام پریشانی میں مبتلا ہوں، اس لیے کہ فقہی اختلاف خواہ دو مجتہدوں کے درمیان ہو یا ایک ہی مذہب کے دو مقلد مفتیوں کے درمیان ہو رحمت ہی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں بغیر کسی قید کے مطلقاً فروعی اختلاف کو رحمت قرار دیا گیا ہے۔ مگر کچھ نو آموز علما نے اس رحمت سے عوام کو محروم کر کے پریشانی اور تنگی میں مبتلا کر دیا ہے۔ بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ عوام خود تحقیق کر لیں اور دلائل میں غور کر لیں، پھر جس کے دلائل زیادہ قوی ہوں اس کے قول کو اپنائیں، اس بات کی سطحیت اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔ اس لیے کہ اگر عوام کو اتنا علم ہوتا کہ وہ خود تحقیق کر سکیں تو وہ عوام نہیں علما ہوتے جب کہ وہ عوام ہی ہیں۔ اس سلسلے میں بعض لوگ شامی کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں: ''أن الأصح الترجیح بقوۃ الدلیل'' یعنی اصح دلیل کی قوت کی بنا پر ترجیح دینا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم اُن علما کے لیے ہے جن میں ترجیح کی کچھ صلاحیت ہو، ورنہ ناقلین محض ترجیح کیا تمیز کے اہل نہیں چہ جائیکہ عوام کو اس کا مکلف کیا جائے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو مفتی علم و تقویٰ میں سب سے بہتر ہو اُسی کے فتوے کو اپنانا واجب و لازم ہے۔ حالاں کہ عوام کے لیے فی زمانہ یہ طے کرنا بھی بڑا مُشکل کام ہے کہ زیادہ علم و تقویٰ کا حامل مفتی کون ہے۔ لہٰذا عوام پر اتنا ہی لازم ہے جتنا وہ بغیر مَشَقَّت میں پڑے ادا کر سکیں۔ یعنی اختلافِ فتویٰ کی صورت میں دلائل میں غور کیے بغیر کسی بھی مفتی کے فتوے کو اپنانا اور اس پر عمل کرنا عوام کے لیے کافی ہے۔

افضل مفتی کی موجودگی میں غیرِ افضل مفتی کے فتوے پر عمل کا جواز

عوام سے متعلق اس مسئلے کا سمجھنا اُصولِ فقہ کی کتب میں مذکور ایک مسئلے کو سمجھنے پر موقوف ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک سے زیادہ مجتہدین موجود ہوں اور بعض بعض سے افضل ہوں تو کس کی تقلید کی جائے؟ یہاں افضل سے مراد اَفْقَہ یعنی فقہ کا زیادہ جاننے والا ہے اور اگر دو مفتی علم میں برابر ہوں تو اَوْرَع یعنی زیادہ پرہیزگار کو افضل مانا جائے گا، جیسا کہ کتب اُصول میں اس کی صراحت موجود ہے۔ بعض علما نے کہا کہ مقلد پر لازم ہے کہ وہ تلاش و تتبع کرے کہ کون سا مجتہد افضل ہے۔ پھر وہ افضل کی ہی تقلید کرے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگرچہ اُس پر افضل کی تحقیق لازم نہیں مگر جب اُس پر یہ واضح ہو کہ فلاں مجتہد افضل ہے تو اُسی کی تقلید واجب ہوگی۔ مگر یہ دونوں اقوال ضعیف ہیں۔ اس لیے کہ خلفاے راشدین کی موجودگی کے باوجود لوگ عبادلۂ اربعہ یعنی ابن عمر، ابن عمرو، ابن زبیر اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے مجتہد صحابہ سے فتویٰ پوچھ کر اُن کی تقلید کرتے اور اس بات کو سب لوگ جانتے تھے مگر کبھی کسی صحابی نے اس پر انکار نہیں کیا اور نہ ہی خلفاے راشدین نے اپنی موجودگی میں دوسرے صحابہ کو فتویٰ دینے سے روکا۔ جب کہ عوام و خواص سب کا یہ عقیدہ تھا کہ خلفاے راشدین امت میں سب سے افضل ہیں۔ لہٰذا اصح یہ ہے کہ افضل کی موجودگی میں غیرِ افضل کی تقلید جائز ہے۔ اور اس لیے بھی کہ قرآن مجید میں اللہ جلّ وعلیٰ نے افضل اور غیرِ افضل کی تخصیص کے بغیر مطلقاً اہلِ ذکر سے استفتا کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جس نے غیرِ افضل کی تقلید کی اُس کا بھی فرض ادا ہے اور اُس نے بھی تقلید کا وجوب ادا کر لیا۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۲۵۲ھ) نے تحریر اور اس کی شرح سے نقل فرمایا:

"يجوز تقليد المفضول مع وجود الأفضل. وبه قال الحنفية والمالكية وأكثر الحنابلة والشافعية. وفي رواية عن أحمد وطائفة كثيرة من الفقهاء لا يجوز۔"

ترجمہ: ''افضل کی موجودگی میں مفضول کی تقلید کرنا جائز ہے۔اور یہی قول حنفیہ، مالکیہ، اکثر حنابلہ اور شافعیہ نے کیا ہے۔ جب کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ایک روایت میں اور بہت سے فقہا کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے کہ جائز نہیں۔''

پھر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۹۷۴ھ) کے حوالے نقل فرمایا:

''إن ذلك مبني على الضعيف من أنه يجب تقليد الأعلم دون غيره. والأصح أنه يتخير في تقليد أي شاء ولو مفضولا وإن اعتقده كذلك، وحينئذ فلا يمكن أن يقطع أو يظن أنه على الصواب، بل على المقلد أن يعتقد أن ما ذهب إليه إمامه يحتمل أنه الحق. قال ابن حجر: ثم رأيت المحقق ابن الهمام صرح بما يؤيده حيث قال في شرح الهداية: إن أخذ العامي بما يقع في قلبه أنه أصوب أولى، وعلى هذا استفتى مجتهدين فاختلفا عليه الأولى أن يأخذ بما يميل إليه قلبه منهما. وعندي أنه لو أخذ بقول الذي لا يميل إليه جاز؛ لأن ميله وعدمه سواء، والواجب عليه تقليد مجتهد وقد فعل. اهـ."

ترجمہ: ''بے شک وہ (یعنی کسی عامی کا اپنے مذہب کو خطا کے احتمال کے ساتھ درست

ماننے اور مخالف کے مذہب کو درستگی کے احتمال کے ساتھ خطا پر ماننے کا واجب ہونا اس) قولِ ضعیف پر مبنی ہے کہ زیادہ جاننے والے مجتہد کی تقلید واجب ہے نہ کہ اس کے غیر کی۔ اور اصح یہ ہے کہ عامی جس کی چاہے گا اُس کی تقلید کرنے میں بااختیار ہوگا، اگرچہ وہ مفضول ہواور اگرچہ عامی اُسے مفضول ہی سمجھتا ہو۔ اور لہٰذا ایسی صورت میں (یعنی عامی کسی مجتہد کو مفضول جان کر اُس کی تقلید کرے) یہ ممکن نہیں کہ عامی اس بات کا یقین یا ظن رکھے کہ اس کا مذہب درست ہے، بلکہ مقلد پر اتنا ہی واجب ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ اس کا امام جس طرف گیا اُس کے حق ہونے کا امکان ہے۔ پھر امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر میں نے دیکھا کہ محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی صراحت فرمائی جو اس کی (یعنی ہمارے بیان کی) تائید کرتا ہے جب کہ اُنہیں نے شرح ہدایہ میں فرمایا: بے شک عامی کا اُس قول کو اخذ کرنا اولیٰ ہے جس کے بارے میں اُس کے دل میں یہ واقع ہو کہ وہ قول زیادہ درست ہے۔ اور اس بنا پر اگر وہ دو مجتہدوں سے فتویٰ پوچھے تو وہ دونوں اُسے جواب دینے میں مختلف ہو جائیں تو اَولیٰ یہ ہے کہ عامی دونوں میں سے اُس کے قول کو اپنائے جس کی طرف اُس کا دل مائل ہو۔ اور میرے نزدیک اگر عامی اُس کے قول کو اپنائے جس کی طرف اُس کا میلان نہیں تو یہ جائز ہے۔ اس لیے کہ عامی کا میلان اور عدم میلان (شرعاً) برابر ہیں جب کہ اُس پر کسی ایک مجتہد کی تقلید واجب ہے اور وہ کر چکا۔ "

(ردالمحتار، جلد:۱، صفحہ:۴۸، ناشر: دارالفکر، بیروت)

حاصل کلام یہ کہ کسی مقلد کا اپنے مذہب کو راجح اعتقاد کرنا واجب نہیں اور نہ ہی افضل و اعلم کی تقلید متعین ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ اگر اُسے یہ معلوم ہو کہ فلاں مجتہد افضل ہے تو اختلافِ ائمہ سے بچنے کے لیے اُس کے لیے اولیٰ ہے کہ وہ افضل کی تقلید کرے۔ اسی طرح

اُس کے لیے اولیٰ ہے کہ وہ اپنے مذہب کے رجحان کا اعتقاد رکھے۔ چنانچہ علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۱۴۳ھ) نے نقل فرمایا:

"وهذا كله يقتضي أنه لايلزم المقلد اعتقاد الأرجحية في مذهبه، وإن كان الأولى اعتقادها للخروج من الخلاف الواقع في ذلك كما ترى۔"

ترجمہ: "اور یہ سب اس بات کا مقتضی ہے کہ مقلد پر اُس کے مذہب کے رجحان کا اعتقاد رکھنا واجب نہیں۔ اگر چہ اس مسئلے میں واقع اختلاف سے نکلنے کے لیے اولیٰ رجحانِ مذہب کا اعتقاد رکھنا ہے جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں۔"

(خلاصۃ التحقیق فی بیان حکم التلفیق والتقلید، صفحہ: ۱۲، ناشر: مکتبۃ الحقیقۃ، استنبول)

ٹھیک اسی طرح فی زمانہ جب کسی بھی مسئلے میں خواہ وہ جدید مسئلہ ہو یا قدیم، ایک ہی مذہب کے دو غیر فاسق سُنّی مفتیوں میں اختلاف ہو جائے تو مستفتی کو یہ اختیار ہے کہ وہ چاہے جس کے فتوے کو اپنائے اُس کا فرض ادا ہو جائے گا۔ خواہ افضل کے فتوے کو اپنائے یا غیر افضل کے۔ اگر چہ اس کے لیے اولیٰ یہ ہے کہ وہ افضل کے فتوے کو اپنائے، خواہ افضل کا فتویٰ جواز کا ہو یا عدم جواز کا۔ بہر دو صورت اگر اُس نے جواز کے قائل کا اتباع کیا تو اُس کے لیے مستحب ہے کہ اُس فعل کے ارتکاب سے پرہیز کرے اور اگر وہ حرمت کے قائل کا اتباع کرے تو اُس پر واجب ہے کہ وہ اُس فعل کے ارتکاب سے بچے ورنہ وہ گنہگار ہو گا۔ چنانچہ امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۹۷۴ھ) نے اپنی فقہ شافعی کی مشہور کتاب "تحفۃ المحتاج" میں نقل فرمایا:

"وحيث اختلف عليه متبحران أي: في مذهب إمامه

فکاختلاف المجتهدين. اهـ."

ترجمہ: ''اور جب عامی پر اُس کے مذہب کے دو متبحر مفتی اختلاف کریں تو یہ دو مجتہدین کے اختلاف کے حکم میں ہے۔''

اس کے تحت حاشیۂ شروانی داغستانی میں ہے:

''عبارة الروض مع شرحه واختلاف المفتيين في حق المستفتي كاختلاف المجتهدين في حق المقلد، وسيأتي أنه يقلد من شاء منهما فللمستفتي ذلك على ما يأتي''

ترجمہ: ''روض الطالب اور اس کی شرح اسنی المطالب کی عبارت ہے: اور کسی مُستفتی کے حق میں دو مفتیوں کا اختلاف مقلد کے حق میں دو مجتہدوں کے اختلاف کے حکم میں ہے۔ اور عن قریب آئے گا کہ مقلد ان دونوں مجتہدوں میں سے جس کی چاہے تقلید کرے لہٰذا مُستفتی کے لیے بھی یہی حکم ہے اُس بنا پر جو آئے گا۔''

(تحفۃ المحتاج مع حاشیۃ الشروانی، جلد: ۱۰، صفحہ: ۱۱۰، ناشر: المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر)

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۲۵۲ھ) نے ردّ المحتار کی کتاب القاضی میں محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۸۶۱ھ) کی گزشتہ عبارت کو نقل کیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اگر وہ دو مجتہدوں سے فتوی پوچھے تو وہ دونوں اُسے جواب دینے میں مختلف ہو جائیں تو اَولیٰ یہ ہے کہ عامی دونوں میں سے اُس کے قول کو اپنائے جس کی طرف اُس کا دل مائل ہو۔ اور میرے نزدیک اگر عامی اُس کے قول کو اپنائے جس کی طرف اُس کا میلان نہیں تو یہ جائز ہے۔ اس لیے کہ عامی کا میلان اور عدم میلان (شرعاً) برابر ہیں جب کہ اُس پر کسی ایک

مجتہد کی تقلید واجب ہے اور وہ کر چکا۔ خواہ وہ مجتہد درستگی کو پائے یا خطا کرے۔"

پھر اس کے تحت تحریر فرمایا:

"قلت: وهذا كله فيما إذا كان المفتيان مجتهدَين واختلفا في الحكم، ومثله يقال في المقلدَين فيما لم يصرحوا في الكتب بترجيحه واعتماده أو اختلفوا في ترجيحه، وإلا فالواجب الآن اتباع ما اتفقوا على ترجيحه أو كان ظاهر الرواية أو قول الإمام أو نحو ذلك من مقتضيات الترجيح التي ذكرناها في أول الكتاب وفي منظومتنا وشرحها."

ترجمہ: "قلت: یہ سب اُس صورت میں ہے جب کہ دونوں مفتی مجتہد ہوں اور حکم میں مختلف ہوں۔ اور اسی کے مثل دو مقلد مفتیوں کے بارے میں کہا جائے گا (کہ دونوں میں سے جس مفتی کے فتوے پر عمل کرے جائز ہے مگر) اُس مسئلے سے متعلق جس کی ترجیح اور معتمد ہونے کی فقہا نے کتب میں صراحت نہ کی ہو یا اُس کی ترجیح میں اُنہوں نے اختلاف کیا ہو۔ ورنہ تو اب اُس قول کا اتباع واجب ہے جس کی ترجیح پر فقہا متفق ہوئے یا وہ قول ظاہر الروایہ ہو یا قولِ امام ہو یا اسی کے مثل اُن مقتضیاتِ ترجیح میں سے ہو جن کا ذکر میں نے کتاب کے شروع میں اور ہمارے منظومہ اور اُس کی شرح میں کیا ہے۔"

(ردّالمحتار، کتاب القاضی، جلد:۵، صفحہ:۳۶۲، ناشر: دارالفکر، بیروت)

علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے اپنی اس عبارت میں ایک مذہب کے دو مقلد مفتیوں کے اختلاف کو دو مجتہدوں کے اختلاف کے حکم میں قرار دیا ہے ساتھ ہی کچھ قیود بھی لگائی

ہیں تا کہ اُن اقوال پر عمل کرنے کا جائز ہونا لازم نہ آئے جو مذہب حنفی میں بالاتفاق ضعیف ہیں۔(اگرچہ قولِ ضعیف پر اپنی ذات کے لیے عمل کا عدم جواز متفق علیہ نہیں ہے۔مذہب شافعی میں قولِ ضعیف پر اپنی ذات کے لیے عمل کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ قول مذہب میں فاسد و باطل یا شاذ نہ ہو۔)

لہٰذا جب کسی قول کے ضعیف ہونے کی صراحت پرانے فقہا کر چکے ہوں اور اُس کا ضعف مسلّم ہو تو ایسے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں اور نہ ہی ایسے فتوے پر اپنی ذات کے لیے عمل کرنا جائز ہے۔مگر جس قول کی ترجیح میں اختلاف ہو اور اُس مسئلے میں دونوں مختلف اقوال پر فتویٰ دیا گیا ہو تو دونوں میں سے کسی بھی قول کو اپنانا اور اُس پر عمل کرنا جائز ہے۔

اس کی مثال عصر کے وقت کی ابتدا کا مسئلہ ہے۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب کسی چیز کا سایہ اُس کے سایۂ اصلی کے سوا اُس چیز کے دو مثل یعنی دوگنا ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔جب کہ امام ابو یوسف، امام محمد، امام زُفر رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلکہ ایک روایت میں خود امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک کسی چیز کے سائے کے اُس کے سایۂ اصلی کے سوا اُس چیز کے ایک مثل یعنی اُس چیز کے برابر ہونے پر ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔مذہب حنفی میں اس مسئلے میں اصحابِ ترجیح کا اختلاف ہے اور دونوں اقوال پر فتویٰ دیا گیا ہے۔چنانچہ طحطاوی علی المراقی میں ہے:

"صححه جمهور أهل المذهب وقول الطحاوي وبقولهما نأخذ يدل على أنه المذهب وفي البرهان قولهما هو الأظهر اهـ فقد إختلف الترجيح۔"

ترجمہ: ''قولِ امام کو جمہور اہلِ مذہب نے صحیح قرار دیا۔ اور امام طحاوی کا قول'' اور ہم صاحبین کے قول کو اخذ کرتے ہیں'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہی مذہب ہے۔ اور برہان میں ہے کہ صاحبین کا قول ظاہر تر ہے۔ اھ۔ لہٰذا ترجیح مختلف ہوئی۔''

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، صفحہ: ۱۷۶، ناشر: دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

اعلیٰ حضرت، مجدّدِ دین وملت، امام اہلِ سنت امام احمد رضا محدّث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا:

''**عرض:** اگر قبل دو مثل کے عصر کی نماز پڑھ لی جائے تو ہو جائے گی؟

ارشاد: ہاں! صاحبین کے نزدیک ہو جائے گی۔ **عرض:** کیا اعادہ واجب نہ ہوگا؟ **ارشاد:** فرض نہ ہوگا کہ اس قول پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے اگرچہ صحیح و معتمد قولِ امام ہے۔ **عرض:** تو کیا تمام مسائلِ اختلافیہ کا یہی حکم ہے؟ **ارشاد:** نہیں! بلکہ جس میں اختلافِ فتویٰ ہے اس کا یہ ہی حکم ہے کہ جس قول پر عمل کیا جائے گا ہو جائے گا، اور چونکہ اس میں علما دونوں طرف گئے ہیں اور دونوں قولوں پر فتویٰ دیا ہے لہٰذا جس پر عمل کیا جائے گا ہو جائے گا۔ مگر جو معتقدِ ترجیحِ قولِ امام ہے اُسے احتراز چاہیے۔']

(الملفوظ، حصہ اوّل، صفحہ: ۸۴-۸۳، ناشر: مکتبۃ المدینہ)

ایک اور مثال یہ ہے کہ دُنیا کے جن علاقوں میں سال کے بعض ایام میں عشا کا وقت نہیں ہوتا وہاں پر ان ایام میں اُفقِ مغرب پر شفق باقی رہتی ہے اور اسی حالت میں افقِ مشرق سے فجر طلوع ہو جاتی ہے۔ چونکہ ان علاقوں میں عشا کا وقت آتا ہی نہیں اس لیے نمازِ عشا و وتر کے وجوب و عدمِ وجوب میں فقہائے حنفیہ کے دو قول ہیں، ایک وجوب کا دوسرا

عدمِ وجوب کا۔ بعض اصحابِ ترجیح نے عدمِ وجوب کو ترجیح دی جب کہ بعض نے وجوب کو راجح قرار دیا۔ لہٰذا ان ایام میں ان علاقوں میں موجود کوئی مسلمان ان دونوں میں سے جس قول کو چاہے اپنا سکتا ہے۔ درِّ مختار میں ہے:

''(وفاقد وقتهما) كبلغار، (مكلف بهما) به أفتى البرهان الكبير واختاره الكمال، وتبعه ابن الشحنة في ألغازه فصححه، (وقيل لا) يكلف بهما لعدم سببهما، وبه جزم في الكنز والدرر والملتقى وبه أفتى البقالي، ووافقه الحلواني والمرغيناني ورجحه الشرنبلالي والحلبي، وأوسعا المقال۔ (ملخصاً)''

ترجمہ: ''اور عشا و وتر کے وقت کو نہ پانے والا جیسا کہ بلغاریہ میں، عشا و وتر کا مکلف ہے، برہانِ کبیر نے اس پر فتویٰ دیا، اور کمال ابن ہمام نے اسے اختیار فرمایا اور اس کی اتباع ابن الشحنہ نے اپنے الغاز میں کی تو اس کو صحیح قرار دیا۔ اور ایک قول یہ کیا گیا کہ عشا و وتر کے وجوب کے سبب یعنی وقت کے معدوم ہونے کی وجہ سے وہ شخص عشا و وتر کا مکلف نہیں۔ اور کنز، دُرر، وملتقی میں اس پر اعتماد کیا اور بقالی نے اسی پر فتوی دیا، اور حلوانی اور مرغینانی نے اس کی موافقت کی اور شرنبلالی اور حلبی نے اس کو راجح قرار دیا۔ اور دونوں گروہوں نے اس مسئلے پر تفصیلی کلام کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔''

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''والحاصل أنهما قولان مصححان۔''

ترجمہ: ''اور حاصل کلام یہ کہ اِن دونوں ہی اقوال کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔''

(درِّ مختار وردّ المحتار، ج:۱، ص: ۳۶۲/ ۳۶۳/ ۳۶۵، ناشر: دار الفکر، بیروت)

علامہ شامی کی مذکورہ عبارت جس کا ترجمہ ہے:

''قلت: یہ سب اُس صورت میں ہے جب کہ دونوں مفتی مجتہد ہوں اور حکم میں مختلف ہوں۔ اور اسی کے مثل دو مقلد مفتیوں کے بارے میں کہا جائے گا (کہ دونوں میں سے جس مفتی کے فتوے پر عمل کرے جائز ہے مگر اس قید کے ساتھ کہ یہ حکم) اُس مسئلے سے متعلق ہے جس کی ترجیح اور معتمد ہونے کی فقہا نے کتب میں صراحت نہ کی ہو یا اُس کی ترجیح میں اُنہوں نے اختلاف کیا ہو۔''

ظاہر ہے کہ قیدِ مذکور کا تعلق قدیم مسائل ہی سے ہو سکتا ہے۔ رہے جدید و نو پید مسائل تو ان میں یہ قیود متصور نہیں۔ لہٰذا اگر مسئلہ نو پید ہو جس کا ذکر پرانی کتب میں موجود نہ ہو مثلاً گھڑی کی چین کو پہننے کا مسئلہ، لاؤڈ اسپیکر پر نماز کا مسئلہ، چلتی ہوئی ریل گاڑی میں پڑھی گئی فرض نماز کے اعادے کا مسئلہ، ٹی وی اور مووی کی متحرک تصویر یا ڈیجیٹل تصویر کا مسئلہ وغیرہا مسائل میں بھی جس مفتی کے قول کو چاہے اپنانا جائز ہے۔ اگر جواز کے قائل مفتی کے فتوے کا اتباع کرے تو بچنا مستحب ہے اور اگر حرمت کے قائل کے فتوے کا اتباع کرے تو بچنا واجب ہے۔

قولِ ضعیف پر عمل کرنے کا حکم

کسی بھی قول پر عمل کرنے کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اپنے غیر کے لیے عمل کرنا۔ (۲) اپنی ذات کے لیے عمل کرنا۔

اپنے غیر کے لیے کسی قول پر عمل کرنے کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مفتی کا مستفتی کے لیے اُس قول پر فتویٰ دینا۔

(۲) قاضی کا اُس کے پاس فیصلے کے لیے آنے والوں کے لیے اُس قول پر فیصلہ کرنا۔

اپنی ذات کے لیے کسی قول پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی خود اُس قول پر اپنے ذاتی مسئلے میں عمل کرے۔

اپنے غیر کے لیے قولِ ضعیف پر عمل کرنا بالاجماع حرام ہے۔ یعنی قولِ ضعیف پر مفتی کا فتویٰ دینا اور قاضی کا فیصلہ کرنا حرام ہے۔

چنانچہ درِّ مختار میں ہے:

''وأن الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للإجماع،''

ترجمہ: ''اور بے شک قولِ مرجوح پر (قاضی کا) فیصلہ کرنا اور (مفتی کا) فتویٰ دینا جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔''

اس کے تحت ردّ المحتار میں ہے:

''(قوله: وأن الحكم والفتيا إلخ) وكذا العمل به لنفسه. قال العلامة الشرنبلالي في رسالته [العقد الفريد في جواز التقليد]: مقتضى مذهب الشافعي كما قاله السبكي منع

العمل بالقول المرجوح في القضاء والإفتاء دون العمل لنفسه. مطلب لا يجوز العمل بالضعيف حتى لنفسه عندنا ومذهب الحنفية المنع عن المرجوح حتى لنفسه لكون المرجوح صار منسوخا اهـ فليحفظ۔"

ترجمہ: ''اور قولِ مرجوح پر فیصلہ کرنے اور فتویٰ دینے کی طرح قولِ مرجوح پر اپنی ذات کے لیے عمل کرنا ہے۔ علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالے ''العقد الفرید فی جواز التقلید'' میں فرمایا: مذہب شافعی کا مقتضی جیسا کہ اسے علامہ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا افتا اور قضا میں قولِ مرجوح پر عمل کرنے کا منع ہونا ہے نہ کہ اپنی ذات کے لیے عمل کرنا منع ہے۔ (یعنی مذہب شافعی میں قولِ ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے مگر فتویٰ دینا اور قاضی کا فیصلہ کرنا جائز نہیں۔) مطلب: قولِ ضعیف پر عمل کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ ہمارے نزدیک اپنی ذات کے لیے بھی جائز نہیں۔ اور حنفیہ کا مذہب قولِ ضعیف سے باز رہنا ہے حتیٰ کہ اپنی ذات کے لیے بھی۔ اس لیے کہ مرجوح منسوخ ہو چکا ہے۔ لہٰذا اسے یاد کیا جائے۔''

(ردّالمحتار، جلد:۱، صفحہ:۴۷، ناشر: دارالفکر، بیروت)

معلوم ہوا کہ جب کسی قول کے ضعیف ہونے کی صراحت پرانے فقہا کر چکے ہوں اور اُس کا ضعف مسلم ہو تو ایسے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں اور نہ ہی ایسے فتوے پر عمل کرنا جائز ہے۔ مگر جس قول کی ترجیح میں اختلاف ہو اور بعد میں بھی اُس کی تضعیف پر اتفاق نہ ہو اور نہ ہی اُس کے برخلاف مقتضیات ترجیح میں سے کوئی سبب موجود ہو تو ایسے قول پر عمل کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ اس کی وضاحت گزری۔

ایک اعتراض اور اُس کا جواب

فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے الحدیقۃ الندیۃ کی جو عبارت پیچھے گزری، جس کا

ترجمہ یہ ہے:

''جب کسی مسئلے کے جواز کی تخریج ہمارے مذہب کے اقوال میں سے کسی قول پر یا ہمارے غیر کے مذہب کے اقوال میں سے کسی قول پر ممکن ہو تو یہ وہ منکر نہیں جس پر انکار کرنا اور اُس سے روکنا واجب ہے۔ بلکہ منکر تو وہی ہے جس کی حرمت پر اور اُس سے نہی پر اجماع واقع ہو۔'' (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد:۹، صفحہ:۵۳۲، ناشر: رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ، لاہور)

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کا عمل قولِ ضعیف کے مطابق ہے تو بھی اُس پر انکار واجب نہیں۔ حالانکہ قولِ ضعیف پر اپنی ذات کے لیے بھی عمل کرنا جائز نہیں تو کیا وجہ ہے کہ قولِ ضعیف کے مطابق عمل کرنے والے پر انکار جائز نہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ قولِ ضعیف کا ضعف اگر بطلان کی حدّ تک شدید نہ ہو تو اُس پر اپنی ذات کے لیے بلاضرورت یا بلا حاجت عمل کرنے کا مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے۔ حنفی مذہب میں اس کا حکم عدم جواز ہے۔ مگر شافعی مذہب میں اس کی اجازت ہے، جیسا کہ ردّالمحتار کی عبارت میں گزرا۔ فقہ شافعی کی مشہور کتاب اعانۃ الطالبین میں ہے:

''وأما الأقوال الضعيفة فيجوز العمل بها في حق النفس لا في حق الغير، مالم يشتد ضعفها، ولا يجوز الإفتاء ولا الحكم بها. والقول الضعيف شامل لخلاف الأصح وخلاف المعتمد وخلاف الأوجه وخلاف المتجه. وأما خلاف الصحيح فالغالب أنه يكون فاسدا لا يجوز الأخذ به۔''

ترجمہ: ''اور رہے ضعیف اقوال تو اُن پر اپنی ذات کے لیے عمل کرنا جائز ہے، اپنے غیر کے لیے جائز نہیں جب تک اُن کا ضعف شدید نہ ہو۔ اور ضعیف اقوال پر فتویٰ دینا اور قاضی

کا فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ اور قولِ ضعیف خلافِ اصح، خلافِ معتمد، خلافِ اوجہ اور خلافِ مُتّجِہ کو شامل ہے۔ اور رہا خلافِ صحیح تو غالب یہ ہے کہ وہ فاسد ہوتا ہے جس کو اخذ کرنا جائز نہیں۔''

(إعانة الطالبين حاشية فتح المعين، ج ۱ ص ۲۷، ناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت)

لہٰذا جن لوگوں کا عمل قولِ ضعیف کے مطابق ہوگا وہ بھی بعض ائمہ کے مذہب پر درست ہیں جب کہ انکار اجماعی حرام فعل پر واجب ہے۔ اگرچہ جاہل شخص فرض علم حاصل نہ کرنے اور فتویٰ نہ پوچھنے کے سبب گناہ گار ہوگا۔ لہٰذا عوام کو نرمی کے ساتھ مسئلہ بتا کر بچنے کی نصیحت کی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے عوام میں سے اُن لوگوں کی تفسیق نہیں فرمائی جو جمعہ کے خطبوں کے دوران آواز کے ساتھ ذکر، دُعا یا آمین کہتے تھے حالانکہ اُن کا یہ عمل قول راجح کے خلاف ہے۔ بلکہ فرمایا:

''اور زبان سے (دُعا) مانگنا امام کے نزدیک مکروہ، اور امام ابی یوسف کے نزدیک جائز، اور مختار قول امام ہے، تو بیشک مذہب منقح حنفی میں مقتدیوں کو اس سے احتراز کا حکم ہے (الی قولہ) پس غایت یہ کہ جو لوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہوں انھیں بتا دیا جائے نہ کہ معاذ اللہ بدعتی گمراہ حتی کہ بلا وجہ مسلمانوں کو مشرک ٹھہرایا جائے۔''

(فتاویٰ رضویہ مترجم، ج۸، ص۴۸۱، ناشر: رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

چند اختلافی مسائل اور اُن کی تفصیل

کافر بینکوں سے ملنے والی زائد رقم حلال یا سود؟؟؟

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ مذہبِ حنفی میں کسی بھی لین دین میں ملنے والی زائد رقم کے سود ہونے کے لیے دونوں طرف کے مال کا معصوم ہونا شرط ہے۔لہٰذا کافرِ ذمی یا مستامن کا مال چونکہ مالِ معصوم ہے اس لیے اُس کی طرف سے مسلمان کو ملنے والی زائد رقم سود ہے۔ مگر وہ کافر جو ذمی یا مستامن نہیں تو وہ حربی ہے اگرچہ بالفعل محارب نہ ہو، اُس کا مال غیر معصوم ہے۔اس بنا پر ہندوستان، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا اور برطانیہ وغیرہ یورپی ممالک میں رہنے والے کفار اور وہاں کی حکومتوں سے ملنے والی زائد رقم سود نہیں بلکہ مسلمانوں کے لیے حلال وطیب ہے۔ اس لیے کہ یہ کفار نہ تو ذمی کی تعریف کے مصداق ہیں اور نہ ہی مستامن کی تعریف کے۔مگر چونکہ اس مسئلے میں امام ابو یوسف اور ائمۂ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہے، اس لیے اس سے بچنا مستحب ہے۔اس بنا پر کافر بینکوں سے ملنے والی زائد رقم کو مسلمان فقرا میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہی موقف مجدّدِ دین وملت، امام احمد رضا محدثِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔اور اسی پر ہندوستان کے تمام اور پاکستان کے اکثر علمائے اہلِ سُنّت ہیں۔فتاویٰ رضویہ شریف میں ہے:

''یہاں کے ہندو وغیرہ جتنے کفار ہیں ان میں نہ کوئی ذمی ہے کہ سلطنت اسلام میں مطیع الاسلام وجزیہ گزار ہو کر رہے، نہ مستامن ہے کہ بادشاہ اسلام سے کچھ دنوں کے لیے امان لے کر دارالاسلام میں آئے، اور جو کافر نہ ذمی ہو نہ مستامن سوا غدر و بدعہدی کے کہ مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے، باقی اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے، جس عقد

کے نام سے ہو مسلمان کے لیے حلال ہے۔ وقد فصلناہ فی فتوانا بما لا مزید علیہ۔ البتہ یہ لحاظ رہے کہ ذی عزت متقی آدمی جسے جاہل عوام اپنی نافہمی کے سبب ایسی صورتوں میں معاذ اللہ سود خور مشہور کریں، اسے احتراز مناسب ہے کہ جیسے بُرے کام سے بچنا ہے یونہی برے نام سے بچنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (مُلَخَّصاً)"

(فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد: ۱۷، صفحہ: ۳۴۸ تا ۳۴۹، ناشر: رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ظاہر ہے کہ ہندوستان کے کفار امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں بھی محارب بالفعل نہ تھے مگر اُن کے ذمی یا مستامن نہ ہونے کی وجہ سے اُن کا مال غیر معصوم تھا اسی لیے اُن سے ملنے والی زائد رقم کو مسلمانوں کے لیے حلال قرار دے دیا۔ اور کفارِ ہند کا حال آج بھی یہی ہے۔ اسی طرح یورپی ممالک کے کفار اگرچہ محارب بالفعل نہ ہوں مگر چونکہ وہ ذمی یا مستامن نہیں، اس لیے اُن کا مال غیر معصوم ہے۔ لہٰذا اُن کے اور مسلمانوں کے درمیان سود کا تحقق نہیں ہوسکتا۔ امام ملک العلما ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۵۸۷ھ) نے مذہب حنفی کی اپنی عظیم الشان کتاب ''بدائع الصنائع'' میں تحریر فرمایا:

''وأما شرائط جريان الربا فمنها أن يكون البدلان معصومين، فإن كان أحدهما غير معصوم لا يتحقق الربا عندنا، وعند أبي يوسف هذا ليس بشرط، ويتحقق الربا، وعلى هذا الأصل يخرج ما إذا دخل مسلم دار الحرب تاجرا فباع حربيا درهما بدرهمين، أو غير ذلک من سائر البيوع الفاسدة في حكم الإسلام أنه يجوز عند أبي حنيفة ومحمد''

ترجمہ: ''اور رہی سود کے جاری ہونے کی شرطیں تو ان شرطوں میں سے ایک شرط دونوں

بدلوں کا معصوم ہونا ہے۔ لہٰذا اگر دونوں میں سے کوئی ایک بدل غیر معصوم ہے تو ہمارے نزدیک سود کا تحقق نہیں ہوگا۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ شرط نہیں لہٰذا اُن کے نزدیک سود متحقق ہوگا۔ اور اس اُصول پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان دار الحرب میں تاجر بن کر جائے، پھر وہ کسی حربی کو ایک درہم دو درہموں کے بدلے بیچے یا اس کے سوا وہ ساری بیعیں جو بحکمِ اسلام فاسد ہیں وہ سب امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک حربی کے ساتھ جائز ہیں۔"

(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج:۵، ص:۱۹۲، ناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

علامہ طحطاوی مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا:

"ان شرط الربا عصمة البدلين جميعا"

ترجمہ: "سود کے تحقق کی شرط دونوں بدلوں کا معصوم ہونا ہے۔"

(حاشية الطحطاوي على الدّر المختار، ج:۳، ص:۱۱۲، مطبوعه قديمه، مصر)

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا:

"قال في الشرنبلالية: ومن شرائط الربا عصمة البدلين، فعصمة أحدهما لا يمنع (ملخصاً)"

ترجمہ: "شرنبلالیہ میں فرمایا کہ سود کے تحقق کی شرطوں میں سے دونوں بدلوں کا معصوم ہونا ہے لہٰذا دونوں میں سے کسی ایک بدل کا معصوم ہونا صحتِ عقد کو مانع نہیں۔"

(ردّ المُحتار، ج:۵، ص:۱۶۸، ناشر: دار الفكر، بيروت)

ان عبارتوں سے اس بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی حربی کو زائد رقم دے تو وہ بھی سود نہیں، اس لیے کہ اس صورت میں بھی عصمتِ بدلین نہیں بلکہ عصمتِ احد البدلین ہے۔ مگر مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس طرح اپنا نقصان

اور کافر کا فائدہ کرے۔ بلکہ بعض علما نے حربی کی طرف سے ملنے والی زائد رقم کو حلال قرار دینے کے باوجود مسلمان کی طرف سے حربی کو دی جانے والی زائد رقم کو سود قرار دیا ہے۔ لہٰذا مسلمان پر لازم ہے کہ وہ بلاضرورت کسی کافر کو فائدہ پہنچانے سے اجتناب کرے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

''لا یخفی أنه إنما یقتضي حل مباشرة العقد إذا کانت الزیادة ینالها المسلم، وقد التزم الأصحاب في الدرس أن مرادهم من حل الربا ما إذا حصلت الزیادة للمسلم نظرا إلی العلة (ملخصاً)''

ترجمہ: ''اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ حربی کافر سے عقدِ فاسد کے حلال ہونے کو دلیل کا چاہنا اُس صورت میں ہے جب کہ زیادتیِ مال کو مسلمان پائے۔ اور اصحابِ حنفیہ نے علتِ ربا کے پیشِ نظر درس میں اس بات کو بیان کرنے کا التزام کیا ہے کہ زائد مال کے حلال ہونے سے اُن کی مُراد یہ ہے کہ جب زیادتی مسلمان کو حاصل ہو۔'' (فتح القدیر، ج۷، ص ۳۹، ناشر: دار الفکر)

مگر اس کے برخلاف اگر حربی کافر سے سودی قرض لینے پر سود کی رقم سے زائد رقم کے ضائع ہونے سے بچنے کا ظن غالب ہو یا سود کی رقم سے زائد رقم کے فائدے کا ظن غالب ہو تو ایسی صورت میں ضررِ مسلم کے عدمِ تحقق کی وجہ سے حربی کافر سے سود کی شرط پر قرض لینا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ حقیقت میں سود ہے ہی نہیں، بلکہ ضررِ مسلم کی بنا پر اسے عام حالات میں حرام قرار دیا گیا ہے جو یہاں مفقود ہے۔

مثال کے طور پر کسی شخص نے گھر یا گاڑی کو اگر نقد خریدا تو انکم ٹیکس فائل میں اُسے اُس رقم کو درج کرنا پڑے گا جس کو وہ گھر یا گاڑی کے بدلے میں دے چُکا ہے۔ اس

صورت میں اُس کو اس رقم پر انکم ٹیکس ادا کرنا پڑے گا۔لیکن وہ شخص اگر حربی کفار یا حربی حکومت کی بینک سے قرض لے کر گاڑی یا گھر کی رقم ادا کرے گا تو اُسے اس پر انکم ٹیکس نہیں دینا پڑے گا بلکہ اُس قرض کو ادا کرنے کے ساتھ اُسے سود ادا کرنا ہوگا۔اور حال یہ ہے کی سود کی رقم انکم ٹیکس کی رقم سے کم ہے تو ایسی صورت میں اُس مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ حربی کافر یا حربی بینک سے سودی قرض لے۔

ایک اور مثال یہ ہے کہ اگر کوئی بے روزگار ہے اور اُسے کاروبار شروع کرنے کے لیے سرمائے کی ضرورت ہے۔اگر وہ حربی کافر یا حربی بینک سے سودی قرض لے کر کاروبار شروع کرے گا تو اُسے یہ ظن غالب ہے کہ جتنے دنوں میں وہ سود سمیت قرض ادا کرے گا اُتنے دنوں میں وہ اپنے کاروبار سے سود کی رقم سے زیادہ نفع حاصل کرے گا۔تو اس صورت میں ضررِ مسلم کے عدمِ تحقق کے سبب اُس مسلمان کے لیے حربی کافر یا حربی بینک سے سودی قرض لینا جائز ہے۔

مذہبِ حنفی کی کتب میں یہ مسائل بڑی وضاحت وتفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔مگر فی زمانہ کچھ حنفی علما نے اس میں اختلاف کیا اور مذہبِ حنفی کی ایسی تعبیر وتشریح کی جو دراصل مذہبِ حنفی نہیں بلکہ مذہبِ ائمۂ ثلاثہ ہے۔ان علما کی اس خطا میں عوام کی ایک بڑی تعداد نے ان کا اتباع کیا۔اگر بات یہیں تک محدود رہتی تب بھی غنیمت ہوتی۔مگر یہاں یورپ میں بہت سارے لوگوں بلکہ بعض علما کہلانے والوں نے جواز کے قائل علما وعوام پر سخت طعن وتشنیع کی اور کر رہے ہیں حتی کہ سود خور اور حرام خور تک کہہ رہے ہیں۔اسی لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ اس مقالے میں اس مسئلے کی بھی وضاحت کر دی جائے تا کہ حرمت کے قائلین جواز کے قائلین پر طعن وتشنیع اور تہمتِ حرام خوری کے گناہِ کبیرہ سے باز آجائیں۔

تمباکو کا استعمال مباح یا ممنوع؟؟

کہا جاتا ہے کہ کولمبس نے جہاں امریکہ کو دریافت کیا وہیں پر تمباکو کو بھی دُنیا سے متعارف کرایا۔ ریڈ انڈینس تمباکو کے پتے کو چبا کر منہ میں رکھتے۔ تمباکو کے استعمال کے مسئلے میں علما کی تین آرا ہیں۔ اباحت، کراہت اور حرمت کی رائے۔ درّ مختار میں منقول ہے:

”والتتن الذي حدث وكان حدوثه بدمشق في سنة خمسة عشر بعد الألف۔“

ترجمہ: ”اور تمباکو نوشی جو ظاہر ہوئی، اور اس کا ظہور دمشق میں ۱۰۲۵ھ کے بعد ہوا۔“

ردّالمحتار میں اس کے تحت ہے:

”أقول: قد اضطربت آراء العلماء فيه، فبعضهم قال بكراهته، وبعضهم قال بحرمته، وبعضهم بإباحته، وأفردوه بالتأليف.“

ترجمہ: ”اقول: تمباکو کے استعمال کے متعلق علما کی آرا مختلف ہوئیں، تو بعض علما نے اسے مکروہ کہا، بعض علمانے اسے حرام کہا، جب کہ بعض علمانے اسے مباح کہا۔ اور ان سب نے اس مسئلے پر کتابیں تصنیف فرمائیں۔“ (ردّالمحتار، ج:۶، ص:۴۵۹، ناشر: دارالفکر، بیروت)

فتاوی رضویہ شریف میں ہے:

”**مسئلہ** ۲۳۴: از گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ، عبدالستار بن اسمٰعیل رضوی، بروز شنبہ ۱۷ رجب ۱۳۳۴ھ

تمباکو کا کھانا پان میں یا یوں ہی بلا پان کے جائز ہے یا نہیں، تمباکو خالص ہو یا

خوردنی خوشبودار جولکھنؤ میں بنتا ہے؟

الجواب: تمبا کو اور حقہ کا ایک حکم ہے، جیساوہ حرام ہے یہ بھی حرام ہے اور جیساوہ جائز ہے یہ بھی جائز، بدبو ہے تو باکراہت ورنہ بلاکراہت۔ فقط ایک فرق ہے جو لوگ غیر خوشبودار تمبا کو کھاتے ہیں اور اسے منہ میں دبا رکھنے کے عادی ہیں، ان کا منہ اس کی بدبو سے بس جاتا ہے کہ قریب سے بات کرنے میں دوسرے کو احساس ہوتا ہے۔ اس طرح تمبا کو کھانا جائز نہیں کہ یہ نماز بھی یوں ہی پڑھے گا اور ایسی حالت سے نماز مکروہِ تحریمی ہے بخلاف حقہ کے کہ اس میں کوئی جرم منہ میں باقی نہیں رہتا اور اس کا تغیّر کلیوں سے فوراً زائل ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم"

اگلے فتوے میں ہے: "اور حقہ جیسا عام طور پر رائج ہے مباح اور ترک اولیٰ۔"

(فتاوی رضویہ مترجم، جلد: ۲۴، صفحہ: ۵۵۵، ناشر: رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ، لاہور)

پوری دُنیا میں ایک عرصے سے تمبا کو پر مسلسل تحقیقات ہو رہی ہیں اور اس سلسلے میں فی زمانہ کچھ نئے انکشافات ہوئے ہیں جن کی روشنی میں یہ بات اب کسی پر پوشیدہ نہیں رہی کہ تمبا کو کا استعمال جسمِ انسانی کے لیے ضرر رساں ہے اور اس کے استعمال سے کئی مہلک بیماریوں کا اندیشہ ہے۔ ان باتوں کے پیشِ نظر آج بہت سے علما نے تمبا کو کے استعمال کو ناجائز و گناہ قرار دیا ہے۔ مگر اُن کے لیے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اُن لوگوں پر طعن و تشنیع کریں جو آج بھی جدید تحقیقات پر اعتماد کرنے کی بجائے سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتوے کا اتباع کرتے ہوئے اسے مباح سمجھتے اور استعمال کرتے ہیں۔

مسئلۂ تصویر: اجماعی یا اختلافی؟؟؟

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ تصویر کی اجماعی حرمت مجسمے کے ساتھ خاص ہے۔ رہی غیر مجسم تصویر جسے قلم یا برش جیسی چیز سے کسی دیوار یا پردے جیسی چیز پر بنایا جائے تو اس کی حلّت وحرمت میں مذاہبِ اربعہ میں اختلاف ہے۔ حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور بعض مالکیہ کے نزدیک غیر مجسم تصویر بھی مجسم تصویر کی طرح حرام ہے۔ جب کہ امام مالک اور آپ کے اکثر اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہبِ صحیح، معتمد ومفتی بہ یہ ہے کہ ایسی تصور کو موضعِ اہانت کے علاوہ میں بنانا اور رکھنا مکروہِ تنزیہی ہے، حرام نہیں۔ لہٰذا جب غیر مجسم تصویر کی حرمت پر اجماع نہیں ہے تو ٹی وی اور مووی کی تصویر جس کی حرمت کو غیر مجسم تصویر کی حرمت پر قیاس کیا گیا ہے، اجماعی کیسے ہو سکتی ہے؟؟؟

بالفرض اگر غیر مجسم تصویر کی حرمت پر اجماع ہوتا بھی تو اس سے ٹی وی اور مووی کی تصویر کا اجماعی ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ اس لیے کہ ٹی وی اور مووی کی تصویر چودھویں صدی ہجری کی ایجاد ہے۔ حالانکہ سن دوصدی ہجری کے بعد اجماعِ شرعی کے معلوم کرنے کی کوئی سبیل نہیں رہی، لہٰذا دوصدی ہجری کے بعد پیدا ہونے والے کسی بھی مسئلے پر اجماع کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ٹی وی اور مووی کی تصویر کے جواز کے قائل پر طعن وتشنیع کرنا یا اُس کی تفسیق کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اب اسی اجمال کی تفصیل دلائل کے ساتھ ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

ضروری وضاحت

سب سے پہلے ہم اس بات کی وضاحت کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ہمارے جو

بزرگ علمائی وی اور مووی کی تصویر کو حرام قرار دیتے ہیں، بلاشبہ اُن کے بھی دلائل کافی معقول اور قوت کے حامل ہیں۔ اور اُن کا یہ موقف تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اس موقف کے دینی فوائد کو سمجھنے کے لیے یہاں پر شیخ محمد خالد ثابت مصری حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

"وجدتُ للشيخ الجليل محمد أختر ضمن مؤلفاته كتابا فى تحريم التصوير. وعلمتُ من أتباعه ومحبّيه أنه لايسمح بالتصوير فى مجلسه، حتى أنه لاتوجدله صورة متداولة بينهم. رُحتُ أتأمل فى هذا الأمر وأقول لنفسى: لو أن علماء الأمة اتخذوا نفس الموقف من التصوير لربما أصبح العالم على غير الشكل القبيح الذى نراه عليه، تأمل فى أبواب الفساد التى فتحت على الدنيا كلها من باب التصوير وحده حتى تقدر لهؤلاء الرجال جهودهم فى خدمة الدين وثباتهم على الحق. أتذكر أنه فى ستينات القرن العشرين دخل التلفزيون مصر لأوّل مرّة، وأصبحت مشاهد الخمر والمجون والعرى فى كل بيت حتى إن رجلاً فاضلاً قال بمرارة: إنى لم أفكر فى حياتى قطّ أن آخذ أهل بيتى وأولادى إلى ملهى ليلى والآن۔بعد التلفزيون ۔دخل الملهى الليلى بيتى۔عنوة۔فى كل وقت. نعم .. هذه فتاوىٰ المخلصين، رجال الله الصادقين، الذين يدورون مع الحق حيث دار، لايلزمون أنفسهم بغيره، ولايراعون فى

ذلک إلّا الله، يعلموننا درساً مهماً، فحواه: أن الباطل لابد أن يظل مرفوضاً من أهل الحق مهما علا شأنه واستشرى وانتشر.. نظرت إلى وجه الشيخ الكبير محمد أختر والبهاء يكسوه، والسكينة والوقار يجللانه، واستمعت إلى كلماته۔ بلغة عربية صحيحة۔ تخرج من فمه في قوة وثقة تصدح بالحق المبين. فوجدتُني أقول: سبحان الله... ذرية بعضها من بعض."

ترجمہ: "شیخِ جلیل محمد اختر رضا (خان ازہری دام ظلہ) کی تصانیف کی فہرست میں تصویر کی حرمت پر میں نے ایک کتاب پائی۔ اور شیخ کے اتباع اور محبین سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنی مجلس میں تصویر کشی کی اجازت نہیں دیتے حتی کہ اُن کے چاہنے والوں کے درمیان اُن کی کوئی متداول تصویر موجود نہیں۔

میں اس معاملے میں غور کرنے لگا اور اپنے آپ سے کہنے لگا کہ اگر اُمت کے علما تصویر سے متعلق یہی موقف اپناتے تو شاید دُنیا آج اُس قبیح شکل پر نہ ہوتی جسے آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ آپ فساد کے اُن دروازوں کے بارے میں غور کیجئے جن کو دُنیا پر کھولا گیا کہ وہ سارے دروازے تصویر سے متعلق ہیں، تا کہ آپ کو ان اللہ والوں کی خدمتِ دین میں کاوش اور حق پر ثباتِ قدمی کا اندازہ ہو۔

مجھے یاد ہے کہ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں ٹیلی ویژن مصر میں پہلی مرتبہ داخل ہوا۔ اور شراب، بے حیائی اور فحاشی کے مناظر ہر گھر میں داخل ہوئے، یہاں تک کہ ایک فاضل شخص نے تلخی سے کہا کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں اپنے اہلِ خانہ اور اپنے بچوں کو کسی شبینہ تھیٹر میں لے جاؤں گا۔ مگر اب ٹیلی ویژن کے آنے کے

بعد خود شبینہ تھیٹر میرے گھر میں داخل ہو گیا۔ نہ چاہتے ہوئے۔۔ ہر وقت۔۔۔

ہاں! یہ مخلصین کے، اللہ کے سچے بندوں کے فتاویٰ ہیں۔ جو ہمیشہ حق کے ساتھ ہوتے ہیں، حق چاہے جہاں رہے۔ جو خود کو غیرِ حق کے ساتھ لازم نہیں کرتے اور اس معاملے میں اللہ کے سوا کسی کی پرواہ نہیں کرتے، یہ حضرات ہمیں ایک اہم سبق سکھاتے ہیں، جس کا مضمون یہ ہے کہ باطل کا معاملہ جب بھی بلند، تیز اور منتشر ہو تو اُسے اہلِ حق سے مات کھانی ہی ہے۔

میں نے شیخ کبیر اختر (رضا ازہری دام ظلہ) کے چہرے کی طرف دیکھا، اس حال میں کہ حسن و جمال اُن کو گھیرے ہوئے ہے اور سکینہ و وقار اُن پر غالب ہے، اور میں نے صحیح عربی زبان میں اُن کے کلمات سُنے جو حقِ مُبین کو بلند کرتے ہوئے اُن کے مُنہ سے قوت و ثقاہت کے ساتھ نکل رہے ہیں۔ تو میں نے خود کو پایا کہ میں کہہ رہا ہوں: سبحان اللہ! ”ذرية بعضها من بعض“ (ایسی ذریت جس کا بعض بعض سے ہے۔ یہ ایک عربی محاورہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور تاج الشریعہ اپنے اجداد کے فضل و کمال کے وارث اور مظہر ہیں۔ راقم۔) (انصاف الامام، صفحہ: ۱۴۶ تا ۱۴۷، ناشر: دار المقطم للنشر والتوزیع، قاہرہ)

سبحان اللہ، ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بزرگوں کا سایہ ہم پر تا دیر قائم رکھے۔ آمین۔

مگر ان تمام باتوں کے باوجود ٹی وی اور مووی کی تصویر کو حرمت سے مستثنیٰ کرنے والے علما کو فاسق یا مطعون نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ یہ مسئلہ بہر حال اختلافی ہے۔ نیز ٹی وی اور مووی کی تصویر کو جائز کہنا اور ہے جب کہ مروّجہ ٹیلی ویژن کو جائز قرار دینا دوسری بات ہے۔

اجماعِ شرعی کا تحقق

اعلیٰ حضرت، امامِ اہل سنّت، امام احمد رضا محدثِ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا:

''سبحان اللہ! اجماعِ شرعی جس میں اتفاق ائمہ مجتہدین پر نظر تھی، علما نے تصریح فرمائی کہ بوجہ شیوع وانتشار علما فی البلاد دو صدی کے بعد اس کے ادراک کی کوئی راہ نہ رہی مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:

''(قال الإمام أحمد من ادعى الإجماع) على أمر (فهو كاذب والجواب أنه محمول على حدوثه الآن) فإن كثرة العلماء والتفرق فى البلاد الغير المعروفين مريب فى نقل اتفاقهم۔''

ترجمہ: ''امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کسی معاملے میں اجماع کا دعوٰی کرے تو جھوٹا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی بات موجودہ دور کے واقعہ پر محمول ہے کیونکہ علما کی کثرت اور غیر معروف علاقوں میں ان کا متفرق ہو جانا ان کے اتفاق کو نقل کرنے میں شبہہ پیدا ہوتا ہے۔''

نیز فواتح میں ہے:

''تحقيق المقام ان فى القرون الثلثة لاسيما القرن الاول قرن الصحابة رضى الله تعالٰى عنهم كان المجتهدون معلومين باسمائهم واعيانهم وامكنتهم خصوصا بعد وفاة رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم زمانا قليلا ويمكن معرفة اقوالهم

واحوالھم للجادفی الطلب۔ نعم لا یمکن معرفۃ الاجماع ولاالنقل الآن لتفرق العلماء شرقا وغربا ولایحیط بھم علم احد۔اھ۔ملخصین۔"

ترجمہ: "مقام کی تحقیق یہ ہے کہ پہلے تین قرن خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرن (زمانہ) جواوّل قرن ہے اس میں مجتہدین حضرات اپنے ناموں، ذاتوں اور مقامات کے اعتبار سے خصوصاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد قلیل زمانہ تک معروف تھے اور ان کے اقوال واحوال کی معرفت کے لیے جدوجہد کرنا ممکن تھا، ہاں آج اجماع کی معرفت ممکن نہیں اور نہ ہی اس کو نقل کرنا ممکن رہا کیونکہ علما کرام شرقاً غرباً متفرق ہو چکے ہیں جن کو کسی ایک شخص کا علم احاطہ نہیں کرسکتا، اھ مذکور دونوں عبارتیں ملخص ہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد:۱۹، صفحہ: ۵۹۴ تا ۵۹۵، ناشر: رضافاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ، لاہور)

ہمارے خیال میں فتاویٰ رضویہ شریف کے اس اقتباس کے بعد اب مزید تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہی، اس بات کو سمجھانے کے لیے کہ ٹی وی اور مووی جیسی نو پید چیز کے حکم پر اجماعِ شرعی کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح کسی نو پید مسئلے میں آج اجماعِ علمائے احناف کا دعویٰ بھی اُنہی وجوہات کی بنا پر نہیں کیا جا سکتا جن وجوہات کی بنا پر اجماعِ شرعی کا دعویٰ کرنا درست نہیں۔ اس لیے کہ علمائے احناف بھی پوری دُنیا میں شرقاً غرباً پھیلے ہوئے ہیں۔ بلکہ جہاں جہاں اسلام وسُنّیت ہے وہاں وہاں احناف موجود ہیں، کہیں قلت میں تو کہیں کثرت میں۔ لہٰذا یہ دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ٹی وی اور مووی کی تصویر کی حرمت یا حلت پر علمائے احناف کا اجماع ہے۔

تصویر کا حکم مالکی مذہب میں

علامہ شہاب الدین نفراوی مالکی ازہری رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۱۲۶ھ) نے فقہِ مالکی کی اپنی کتاب میں تحریر فرمایا:

”(ويكره) تنزيها فعل (التماثيل) جمع تمثال بكسر التاء وهي صورة الحيوانات (في الأسرة و القباب و الجدران و الخاتم) قال في المدونة: تكره التماثيل التي في الأسرة و القباب و المنابر وليس كالثياب والبسط التي تمتهن انتهى، وأشعر قوله في الأسرة والقباب إلخ أن التمثال منقوش في تلك المذكورات وهو كذلك، وأما لو جعل التمثال صورة مستقلة لها ظل كما لو صنع صورة سبع أو كلب أو آدمي ووضعها على الحائط أو على الأرض فإن ذلك حرام، حيث كانت الصورة كاملة سواء صنعت مما تطول إقامته كحجر أو خشب أو مما لا تطول إقامته، كما صنع صورة السبع أو الفرس من عجين أو حلاوة مما لا تطول إقامته، ولو كانت الصورة ناقصة كصورة حمار أو سبع غير كاملة فلا حرمة فيها بل قيل بكراهتها وقيل خلاف الأولى. والحاصل كما يؤخذ من كلام ابن رشد وغيره أن التماثيل على الثلاثة أقسام: المحرم منها ما كان على صورة حيوان كاملة ولها ظل قائم وحمل عليها ما ورد في الحديث: «من أن فاعل تلك

الصورة يعذب يوم القيامة ويقال له: أحي ما خلقت« والمباح ما كان على صورة غير حيوان كصورة الأشجار والفواكه والسحاب مما هو مصنوع لله وليس حيوانا، والمكروه ما ذكره المصنف من صور الحيوانات المرسومة في الأسرة والحيطان من كل ما كان غير ممتهن، وأما التماثيل المرسومة في الأشياء الممتهنة فلا كراهة فيها ولكن تركها أولى. (ملخصاً)"

ترجمہ: "اور مکروہِ تنزیہی ہے جاندار کی تصویروں کو بنانا چارپائیوں، شامیانوں، دیواروں اور انگوٹھی پر۔ (امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب) المُدوَّنة میں فرمایا: جاندار کی تصویریں چارپائیوں، شامیانوں اور منبروں میں مکروہ ہیں اور کپڑوں اور بچھونوں جیسی چیز پر مکروہ نہیں۔ اھ۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول "چارپائیوں، شامیانوں، الخ" اس بات کو بتاتا ہے کہ جاندار کی تصویر ان مذکورہ چیزوں میں نقش کی گئی ہوں۔ اور معاملہ ایسا ہی ہے۔ اور رہا یہ کہ جاندار کی ایسی مستقل تصویر بنائی جائے جس کا سایہ ہو (یعنی جو مجسمہ ہو) مثلاً کسی درندے، کسی کتے یا کسی آدمی کی تصویر بنائی جائے اور اُسے دیوار یا زمین پر رکھا جائے تو بے شک یہ حرام ہے جب کہ تصویر کامل ہو، خواہ ایسے مادّے سے بنائی گئی ہو جو دیرپا ہو مثلاً پتھر یا لکڑی سے، یا ایسے مادے سے بنائی گئی ہو جو دیرپا نہ ہو، مثلاً درندے یا گھوڑے کی تصویر آٹے یا مٹھائی جیسی اُس چیز سے بنائی جائے جو دیرپا نہیں ہوتی۔ اور اگر تصویر ناقص ہو مثلاً درندے یا گدھے کی غیر کامل تصویر تو اُس میں کوئی حرمت نہیں، بلکہ اُسے مکروہ کہا گیا اور اُسے خلافِ اولیٰ بھی کہا گیا۔ اور حاصل جیسا کہ ابن رشد وغیرہ کے کلام سے ماخوذ ہے یہ ہے کہ جاندار کی تصاویر تین قسموں پر ہیں: (۱) جاندار کی حرام تصویر، جو جاندار کی کامل صورت پر ہو اور اُس کا سایہ ہو یعنی جو مجسم ہو، اور اسی تصویر پر

حمل کیا گیا اُس وعید کو جو حدیث میں وارد ہوئی یعنی اس کے بنانے والے کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور اُسے کہا جائے گا کہ جو تو نے بنایا اُسے زندہ کر۔(۲) مباح جو جاندار کی صورت پر نہ ہو مثلاً درختوں، پھلوں اور بادلوں کی تصویر یعنی جو اللہ کی بنائی ہوئی ہو اور جاندار نہ ہو۔(۳) مکروہ، جسے مصنف نے ذکر کیا یعنی جانداروں کی قلم وغیرہ سے چار پائیوں اور دیواروں یعنی ہر اُس چیز پر جو اہانت والی نہ ہو بنائی جانے والی تصویریں۔ رہی جاندار کی وہ تصاویر جو اہانت والی چیزوں پر بنائی جائے تو ان میں کوئی کراہت نہیں۔ لیکن ان کا ترک اولیٰ ہے۔" (ملخصاً)

(الفواكه الدواني على رسالة ابن أبي زيد القيرواني ۲۱۵/۳، ناشر: دار الفكر)

یہاں کوئی یہ نکتہ آفرینی نہ کر سکے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکروہ کہا جس سے مکروہِ تحریمی مراد ہو سکتا ہے، اس لیے شارح نے شروع ہی میں متن میں "یکرہ" کی تشریح "تنزیھا" سے کر دی۔ اور مذہب شافعی کی طرح مذہبِ مالکی کی کتب کی یہ عام اصطلاح ہے کہ مطلق مکروہ سے ہمیشہ تنزیہی مراد ہوتا ہے۔ برخلاف حنفی مذہب کے کہ مذہبِ حنفی میں مطلقِ مکروہ سے اکثر تحریمی مراد ہوتا ہے۔ فقہِ مالکی کے مشہور حاشیے "حاشیۃ العدوی" میں ہے:

"فالكراهة متى أطلقت لا تنصرف إلا للتنزيه."

ترجمہ: "لہٰذا جب بھی کراہت کا اطلاق کیا جاتا ہے تو وہ تنزیہی ہی کی طرف لوٹتی ہے۔"

(حاشية العدوي على شرح كفاية الطالب الرباني، ج: ۱، ص: ۱۶۹، ناشر: دار الفكر، بيروت)

بارہویں صدی کے مجدد علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۱۲۲ھ) کے والد، مشہور و معتمد مالکی فقیہ، علامہ عبدالباقی بن یوسف زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۰۹۹ھ) نے متنِ خلیل کی اپنی شرح میں تحریر فرمایا:

''أن تصوير صورة حيوان عاقل أم لا كامل الأعضاء الظاهرة ولها ظل يدوم حرام إجماعًا وكذا إن لم يدم خلافًا لأصبغ... كتصوير غزال من قشر بطيخ حال طراوته فإن له ظلّا ما دام طريًّا يقف به فإذا جف سقط مع بقاء هيئة صورته لا إن نقص بعض أعضائه فيباح... ولا غير ذي ظل فيكره في غير ممتهن كفعله بحائط أو ورق وأما في ممتهن كفعله بحصر أو بسط فخلاف الأولى... ويستثنى من المحرم تصوير لعبة على هيئة بنت صغيرة لتلعب بها البنات الصغار فإنه جائز ويجوز بيعهن وشراؤهن لتدريب البنات على تربية الأولاد. (ملخصاً)''

ترجمہ: ''عاقل یا غیر عاقل جاندار کی تصویر بنانا جس کے ظاہری اعضا مکمل ہوں اور جس کا ایسا سایہ ہو جو پائے دار ہو بالاجماع حرام ہے۔ اسی طرح حرام ہے اگر سایہ پائے دار نہ ہو برخلاف اصبغ کے، مثلاً خربوزے کے چھلکے سے اُس کی تازگی کی حالت میں ہرن کی تصویر بنانا، اس لیے کہ جب تک چھلکا تازہ ہوگا اُس کے ساتھ اُس کا سایہ رہے گا، پھر جب چھلکا سوکھ جائے گا تو ہرن کی تصویر کی ہیئت کے باقی رہنے کے باوجود سایہ باقی نہ رہے گا۔ جاندار کی تصویر بنانا حرام نہیں اگر اُس کے بعض اعضا کم ہوں پس وہ مباح ہے۔ اور جاندار کی غیر سایہ دار تصویر بنانا حرام نہیں لہٰذا موضعِ اہانت کے غیر میں بنانا مکروہ ہے، مثلاً غیر سایہ دار تصویر کو دیوار یا کاغذ پر بنانا۔ اور رہا اُسے موضعِ اہانت میں مثلاً چٹائیوں یا بچھونوں پر بنانا تو یہ خلافِ اولیٰ ہے۔ اور حرام تصویر سے مستثنیٰ ہے چھوٹی بچیوں کے کھیلنے کے لیے گڑیا کو بنانا، تو بے شک وہ جائز ہے اور اُس کی بیع وشرا بھی جائز ہے بچیوں کو اولاد کی تربیت کی مشق کرانے کے لیے۔ (مُلخصاً)

(شرح الزُّرقاني على مختصر خليل، ج:۴، ص:۹۳، ناشر: دار الكتب العلمية، بيروت)

غیر سایہ دار تصویر کی حرمت پر دعویٰ اجماع کی حقیقت

اب رہا یہ سوال کہ جب غیر سایہ دار تصویر کی حرمت اختلافی ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ بعض متاخرین حنفیہ نے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے اس پر اجماع نقل کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مسلم یا اپنی کسی بھی کتاب میں غیر سایہ دار تصویر کی حرمت پر اجماع نقل نہیں فرمایا بلکہ صاحب بحرِ رائق نے امام نووی کی شرحِ مسلم کی عبارت کے ظاہر سے اجماع کا انعقاد کشید کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

"وظاهر كلام النووي في شرح مسلم الإجماع على تحريم تصويره صورة الحيوان۔"

ترجمہ: "اور شرحِ مسلم میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ظاہر جاندار کی تصویر بنانے کی حرمت پر اجماع ہونا ہے۔"

(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج: ۲، ص: ۲۹، ناشر: دار الكتاب الاسلامی)

اس عبارت کو علامہ شامی اور علامہ طحطاوی رحمہا اللہ تعالیٰ نے صاحب بحر رائق پر اعتماد کی وجہ سے درِّ مختار کے اپنے اپنے حاشیوں میں نقل فرمایا اور ان دونوں پر اعتماد کرتے ہوئے بعد کے حنفی علمانے اور بعض معاصر بزرگوں نے غیر سایہ دار تصویر کی حرمت پر اجماع کا قول کیا ہے۔ مگر چونکہ ان حضرات نے اپنے مذکورہ پیش رؤوں پر اعتماد کی وجہ سے ایسا فرمایا، اس لیے ان پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں۔ اب ذرا شرح مسلم کی عبارت پر بھی غور وفکر کیا جائے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قال أصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد

التحریم وهو من الکبائر لأنه متوعد علیه بهذا الوعید الشدید المذکور في الأحادیث...ولا فرق فی هذا کله بین ماله ظل وما لا ظل له هذا تلخیص مذهبنا في المسألة وبمعناه قال جماهیر العلماء من الصحابة والتابعین ومن بعدهم...وهو مذهب الثوري ومالک وأبي حنیفة وغیرهم وقال بعض السلف إنما ینهی عما کان له ظل ولا بأس بالصور التي لیس لها ظل وهذا مذهب باطل. الخ."

(شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم تصویر الحیوان)

اس عبارت میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے غیر سایہ دار تصویر کی حرمت کے مذہب کو امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی منسوب کیا ہے حالانکہ ہم نے امام مالک اور اُن کے اصحاب کا مذہب صحیح حوالوں کے ساتھ بیان کر دیا کہ اُن کے نزدیک حرمت مجسمے کے ساتھ خاص ہے، جب کہ غیر سایہ دار تصور بنانا مکروہِ تنزیہی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اگر چہ اپنی اس عبارت میں جاندار کی غیر سایہ دار تصویر کے جواز کا مذہب بھی بعض اسلاف سے نقل کیا ہے مگر ساتھ ہی فرمایا: "وهذا مذهب باطل " یعنی یہ باطل مذہب ہے۔ بلا شبہہ اس کا ظاہر یہی ہے کہ یہ اختلاف لا اختلاف کی منزل میں ہے جو جاندار کی غیر سایہ دار تصویر کی حرمت پر اجماع کے انعقاد کو مضر نہیں۔ اسی لیے صاحبِ بحرِ رائق نے فرمایا: "وظاهر کلام النووی فی شرح مسلم الإجماع الخ۔" مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس لیے کہ امام مالک اور اُن کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب جواز کا ہے۔ نیز یہاں یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہو سکتی ہے کہ یہ مذہب اُصولِ مذہبِ شافعی کی روشنی میں باطل ہے نہ کہ فی نفسہ باطل ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۸۵۲ھ) نے فتح الباری میں امام نووی

رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا عبارت کو نقل کر کے فرمایا:

’’قلت المذهب المذكور نقله بن أبي شيبة عن القاسم بن محمد بسند صحيح. ولفظه عن بن عون قال دخلت على القاسم وهو بأعلى مكة في بيته فرأيت في بيته حجلة فيها تصاوير القندس والعنقاء، ففي إطلاق كونه مذهبا باطلا نظر إذ يحتمل أنه تمسک في ذلک بعموم قوله إلا رقما في ثوب فإنه أعم من أن يكون معلقا أو مفروشا... والقاسم بن محمد أحد فقهاء المدينة وكان من أفضل أهل زمانه وهو الذي روى حديث النمرقة فلولا أنه فهم الرخصة في مثل الحجلة ما استجاز استعمالها لكن الجمع بين الأحاديث الواردة في ذلک يدل على أنه مذهب مرجوح.‘‘

ترجمہ: ’’قلت: مذکورہ مذہب کو ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور اس کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ابن عون سے روایت ہے اُنہوں نے فرمایا کہ میں حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا جب کہ وہ مکّہ شریف کے بالائی حصّے میں اپنے گھر میں تھے۔ تو میں نے اُن کے گھر میں ایک ایسی مسہری دیکھی جس میں قندس (ایک دریائی جانور) اور عنقا (ایک فرضی پرندہ) کی تصاویر تھیں۔ لہٰذا اس کو مطلقاً باطل مذہب کہنا درست نہیں، اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ اُنھوں نے اس پر حدیث شریف کے قول ’’الا رقما فی ثوب‘‘ (یعنی حرمت سے مستثنیٰ وہ تصویر ہے جو کسی کپڑے پر بنائی جائے) سے استدلال کیا ہو۔ اس لیے کہ یہ عام ہے اس سے کہ کپڑا لٹکا ہوا ہو یا بچھا ہوا ہو۔ اور حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما

فقہاے مدینہ سے ایک ہیں۔ اور وہ اپنے اہلِ زمانہ میں سب سے افضل تھے۔ اور اُنہوں نے ہی تصویر والے کپڑے کے نمرقہ یعنی تکیے بنانے والی حدیث روایت کی۔ لہٰذا اگر اُنہوں نے مسہری جیسی چیز میں (تصویر والے پردے کو لٹکانے کا) جواز مستنبط نہ کیا ہوتا تو وہ اس پردے کو مسہری میں لٹکانے کی رخصت کو نہیں سمجھتے۔ لیکن اس بارے میں وارد احادیث کو جمع کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مذہب مرجوح ہے۔(مُلَخَّصاً)''

(فتح الباري شرح صحيح البخاري، ج:١٠، ص:٣٨٨، ناشر: دار المعرفة، بيروت)

حاصل کلام یہ ہے جاندار کی غیر سایہ دار تصویر کی حرمت مختلف فیہ ہے لہٰذا جواز کے قائل کی تشنیع و تفسیق کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح ٹی وی اور مووی کی تصویر کی حرمت پر اجماع کا دعویٰ بھی ہرگز درست نہیں، اس لیے کہ جب مقیس علیہ کی حرمت اختلافی ہے تو مقیس کی حرمت اجماعی کیسے ہوسکتی ہے؟ لہٰذا ٹی وی اور مووی کی تصویر کے جواز کے قائلین کی تجہیل و تفسیق بھی ہرگز جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک سوال اور اُس کا جواب

سوال یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت، مجددِ دین وملت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تصویر کی حرمت پر احادیث متواتر ہیں، تو جب متواتر احادیث سے تصویر کا حرام ہونا ثابت ہے تو یہ مسئلہ مختلف فیہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مطلق تصویر کی حرمت پر احادیث متواتر المعنی ہیں مگر اُن کی دلالت غیر سایہ دار تصویر پر ظنّی ہے اسی لیے اس میں فقہا کا اختلاف ہوا۔

دوسرا سوال اور اُس کا جواب

سوال یہ ہے کہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت، حضور مفتیِٔ اعظم ہند مصطفیٰ رضا نوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حج نامی فلم کو سخت بلکہ اشد حرام قرار دیا تو کیا اس فتوے سے ٹی وی اور مووی کی تصویر

کی حرمت ثابت نہیں ہوتی ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اُس زمانے میں ٹی وی اور مووی کی موجودہ تصویر کی ایجاد نہیں ہوئی تھی بلکہ تھیٹروں میں پردے پر تصاویر کا متحرک نظر آنا آنکھوں کا دھوکہ تھا۔ پلاسٹک کے ٹرانسپیرنٹ فیتے پر لائن سے ساکن تصاویر چھپی ہوئی ہوتی تھیں، اس فیتے کو پردے پر پڑنے والی روشنی اور پردے کے درمیان رکھ کر تیزی سے چلایا جاتا تو پردے پر بننے والی تصاویر متحرک معلوم ہوتیں۔ اور ظاہر ہے کہ جمہور فقہا کے نزدیک فیتے پر بنی ہوئی ساکن تصاویر حرام ہیں۔ نیز مذکورہ فتویٰ ۵۸ ۱۳ھ میں لکھا گیا ہے اور اُس زمانے میں اکثر لوگ فلم دیکھنا تو دور تھیٹر سے بھی نفرت اور گھِن کرتے تھے، اس لیے فلمی صنعت کاروں کی یہ ایک کاروباری چال تھی کہ دین کے نام پر لوگوں کو تھیٹر اور سینما تک لایا جائے تا کہ لوگوں کی وحشت ونفرت کم ہو اور لوگ اس لعنتی جگہ سے مانوس ہو جائیں۔ پھر دوسری فلمیں دیکھنے کے لیے آنا اُن کے لیے کچھ زیادہ مشکل نہ رہے گا۔ مگر حضور مفتی اعظم قدس سرہ نے اپنے فتوے میں شدت کے ساتھ اس کا رَدّ کر کے بروقت اس فتنے کا قلع قمع کر دیا اور اُس دور میں مسلمانوں کے دین واخلاق کی حفاظت فرمائی۔ فجزاہ اللّٰہ تعالیٰ خیرا ۔ اگر چہ مذکورہ فتوے کے الفاظ کا ظاہر غیر سایہ دار تصویر کے مجوّزین کی مطلقاً تفسیق وتشنیع ہے مگر یہ بات اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں کہ حالات وضرورت کے تحت مفتی کے لیے فتوے میں مؤوّل سخت الفاظ کا استعمال جائز ہے۔ بلکہ کفر کا مؤول فتوی دینا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۹۱۱ھ) نے فرمایا:

”وقوله في الحشيشة: من استعملها كفر، لا ينكر عليه إطلاق هذه المقالة، لأن مثل هذا يجوز أن يقال في معرض الزجر والتغليظ، كقوله صلى الله عليه وسلم: " من ترك الصلاة فقد كفرِ، " والعالم إذا أفتى بمثل هذه العبارة إنما

یطلقھامتأولا۔" (ملخصاً)

ترجمہ: "اور حشیش کے بارے میں اُس کا یہ کہنا کہ جو حشیش کا استعمال کرے گا وہ کافر ہوگا۔ تو اس بات کے کہنے سے اُس پر انکار نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ اس طرح کی بات زجر وتغلیظ کے مقام میں کہنی جائز ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جو نماز کو ترک کرے تو تحقیق کہ وہ کافر ہے۔" اور جب کوئی عالم اس طرح کی عبارتوں کے ذریعے فتویٰ دیتا ہے تو وہ تاویل کا اعتقاد رکھتے ہوئے ہی ان کا اطلاق کرتا ہے۔ (ملخصاً)" (الحاوی للفتاوی، ج:۱،ص:۳۰۲،ناشر: دارالفکر للطباعۃ والنشر ، بیروت)

لہٰذا حضور مفتیِ اعظم علیہ الرحمۃ کا یہ فتویٰ فی زمانہ اُن سُنّی علما پر چسپاں نہیں کیا جا سکتا جو اخلاص کے ساتھ دلائل کی روشنی میں ٹی وی اور مووی کی تصویر کو حرمت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

اس زمانے میں کچھ لوگ تبلیغِ دین کے نام پر بے پردہ عورتوں کے ساتھ بیٹھ کر یا بدمذہبوں کے ساتھ بیٹھ کر ریکارڈنگ کرواتے ہیں، اُن پر ضرور انکار کیا جائے اس لیے کہ بے پردہ عورتوں اور بدمذہبوں کی ہم نشینی بالاتفاق ممنوع ہے۔

مگر اس کے برعکس فی زمانہ جو علماے اہلِ سنت تبلیغ دین کے لیے ٹی وی اور مووی کی تصویر کے جواز کے قائل یا عامل ہیں اور مذکورہ مفاسد سے بچتے ہوئے اس کا استعمال کرتے ہیں تو یہ جائز نہیں کہ اُن کو بھی عبدالدنیا والدرہم کہا جائے یا اُن کی تجہیل وتفسیق کی جائے۔ حرمت کے قائلین، مجوزین کا علمی ردّ ضرور کریں مگر اسی طرح جس طرح احناف دیگر مذاہب فقہیہ کا ردّ کرتے ہیں۔ نہ اس طرح جس طرح اہلِ سُنّت بدمذہبوں ردّ کا کرتے ہیں۔

عورتوں کولکھنا سکھانے کا مسئلہ

کتابتِ نسواں کے مسئلے میں زمانۂ قدیم سے فقہا کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ علامہ سمرقندی، علامہ کاسانی وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک عورتوں کولکھنا سکھانا جائز ہے۔ مگر فقہا کے ایک گروہ کے نزدیک اس کی ممانعت ہے۔ مجدد دین وملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی ممانعت کا قول کیا ہے۔ ماضی میں کئی بزرگ حنفی عورتیں ایسی بھی گزری ہیں جو فقہ میں اونچا مقام رکھتی تھیں اور فتوؤں پر تصدیق ودستخط بھی ثبت کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ شیخ محیؒ الدین عبدالقادر ابن محمد حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۷۷۵ھ) نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا:

"هذا كتاب أذكر فيه من وقع لي من العلماء النساء من أصحابنا"

ترجمہ: "اس کتاب میں مَیں ہمارے اصحابِ حنفیہ میں سے اُن عالمات کا ذکر کروں گا جن کے بارے میں مجھے معلوم ہوا۔"

اگلے صفحے پر تحریر فرمایا:

"وقد بلغنا عن بلاد ما وراء النهر وغيرها من البلاد أن في الغالب لا يخرج فتوى من بيت إلا وعليها خط صاحب البيت وابنته وامرأته أو أخته۔"

ترجمہ: "اور بلادِ ماوراء النہر اور اس کے سوا دیگر بلادِ اسلامیہ سے متعلق ہمیں یہ معلوم ہوا کہ ان شہروں میں کسی مفتی کے گھر سے فتویٰ نہیں نکلتا مگر اکثر اُس پر صاحبِ خانہ، اُن کی بیٹی، اُن کی بیوی یا اُن کی بہن کے دستخط ہوتے۔" (الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ، ج:۲،

ص:۲۷۷/۲۷۶،۲، ناشر: میر محمد کتب خانہ، کراچی)

قارئین کرام! غور فرمائیں۔ علامہ محی الدین عبدالقادر بن محمد حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ کی پیدائش ۶۹۶ھ میں ہوئی۔ یہ اپنے دور یا اس سے متصل زمانے کا حال بیان کر رہے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں بھی عورتیں لکھتی تھیں اور بالخصوص علما کی رشتے دار خواتین دینی علوم حاصل کرتی تھیں اور فتاویٰ صادر کرتی تھیں۔ اختصاراً ایک مثال پیشِ خدمت ہے:

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ فاطمہ بنتِ علاؤالدین سمرقندیہ رحمہا اللہ تعالیٰ کا ذکرِ خیر کیا ہے۔ یہ چھٹی صدی ہجری کی ایک فقیہہ عالمہ فاضلہ تھیں۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا:

"هذا الكتاب جليل الشأن، لم أر له نظيرا في كتبنا، وهو للإمام أبي بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني شرح به تحفة الفقهاء لشيخه علاء الدين السمرقندي، فلما عرضه عليه زوجه ابنته فاطمة بعدما خطبها الملوك من أبيها فامتنع، وكانت الفتوى تخرج من دارهم وعليها خطها وخط أبيها وزوجها."

ترجمہ: "یہ کتاب یعنی بدائع الصنائع عظیم الشان ہے، میں نے کتبِ احناف میں اس کی نظیر نہیں دیکھی، اس کتاب کے مصنف علامہ ابوبکر بن مسعود بن احمد کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ (م۵۸۷ھ) نے اس کتاب میں اپنے شیخ علامہ علاؤالدین سمرقندی رحمہ اللہ تعالیٰ (م۵۴۰ھ) کی کتاب تحفۃ الفقہا کی شرح کی ہے۔ پھر جب اُنہوں نے یہ کتاب اپنے شیخ پر پیش کی تو شیخ نے اپنی صاحب زادی فاطمہ کا نکاح اُن کے ساتھ کر دیا حالانکہ اس سے

پہلے بادشاہوں نے اُن کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیام بھیجا تو شیخ نے منع کر دیا۔ان حضرات کے گھر سے فتویٰ اس حال میں نکلتا کہ اُس پر حضرتِ فاطمہ کے دستخط اور اُن کے والد اور شوہر کے دستخط ہوتے تھے۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)''

(ردّالمحتار علی الدّرّ المختار، ج: ۱، ص: ۱۰۰، ناشر: دار الفکر، بیروت)

مگر اس کے برخلاف فقہا کی ایک جماعت نے کتابتِ نسواں کو ممنوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ مجدّ دِ دین وملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدثِ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا:

''عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعاً ممنوع وسنّتِ نصاریٰ وفتح باب ہزاران فتنہ اور مستان سرشار کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے، جس کے مفاسد شدیدہ پر تجارب حدیدہ شاہد عدل ہیں، متعدد حدیثیں اس کے ممانعت میں وارد ہیں جن کی بعض کی سند عندالتحقیق خود قوی ہے اوراصل متن حدیث کے معروف ومحفوظ ہونے کا امام بیہقی نے اعادہ فرمایا اور پھر تعدّدِ طرق دوسری قوت ہے اور عمل اُمت وقبول علما، تیسری قوت اور محل احتیاط وسدِّ فتنہ، چوتھی قوت تو حدیث لا اقل حسن ہے اور ممانعت میں اس کا نص صریح ہونا خود روشن ہے بخلاف حدیث شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا حفصہ کو غلّہ کا منتر نہ سکھائے گی جیسے اسے لکھنا سکھایا، اجازت میں اصلاً کوئی حدیث صریح نہیں۔''

(فتاوی رضویہ مترجم، جلد: ۲۳، صفحہ: ۶۵۳، ناشر: رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ، لاہور)

اسی فتوے میں آگے صفحہ ۶۷۶ پر فرمایا:

''بعد تلاش وتفحص صرف معدود نساء کی کتابت کا پتا چلنا ہی بتا دیتا ہے کہ سلفاً خلفاً علما وعامۂ مومنین کا عمل اس کے ترک ہی پر رہا ہے۔مرد ہر زمانے میں لاکھوں کاتب ہوئے

اور عورتیں تیرہ سو برس میں معدود۔ بہ ظاہر کتابت ایک عظیم نافع چیز ہے، اگر کتابتِ نساء میں حرج نہ ہوتا جمہور اُمت سلف سے آج تک اس کے ترک پر کیوں اتفاق کرتی، بالجملہ سبیل سلامت اسی میں ہے، لہٰذا ان اجلہ علماے کرام امام حافظ الحدیث ابوموسیٰ وامام علامہ تورپشتی وامام ابن الاثیر جزری وعلامہ طیبی وامام جلال الدین سیوطی وعلامہ طاہر فتنی وشیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اسی طرف میل فرمایا، وہ ہر طرح ہم سے اعلم تھے اب جو اجازت کی طرف جائے یا حال زمانہ سے غافل ہے یا امت مرحومہ کی خیر خواہی سے عاطل۔''

محترم قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتنی شدّ ومد سے کتابتِ نسواں کے جواز کا ردّ فرمایا ہے۔ مگر اس کے باوجود آج برّصغیر میں بہت سے وہ علما جو امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ کے سلسلۂ تلمّذ وطریقت سے وابستہ ہیں، جن کی سُنیت اور محبت اعلیٰ حضرت میں کوئی کلام نہیں اور جو مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نعرہ لگاتے نہیں تھکتے، ان حضرات کا موقف نہ صرف یہ کہ جواز کا ہے بلکہ ان حضرات نے بہت سارے مدارسِ نسواں قائم کیے ہیں، جہاں دیگر علوم کے ساتھ کتابتِ نسواں بھی سکھائی جاتی ہے۔

مگر آج بھی کچھ ایسے علما پائے جاتے ہیں جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اتباع میں کتابتِ نسواں کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، اس لیے جواز کے قائلین پر طعن وتشنیع یا اُن کی تفسیق کرنا ہر گز جائز نہیں۔

کالا خضاب لگانے کا مسئلہ

الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۰ تا ۲۸۱ پر ہے:

"اختلف الفقهاء في حكم الاختضاب بالسواد: فالحنابلة والمالكية والحنفية - ما عدا أبا يوسف - يقولون: بكراهة الاختضاب بالسواد في غير الحرب. أما في الحرب فهو جائز إجماعا، بل هو مرغب فيه، وقال الحافظ في الفتح: إن من العلماء من رخص في الاختضاب بالسواد للمجاهدين، ومنهم من رخص فيه مطلقا، ومنهم من رخص فيه للرجال دون النساء، وللحنفية رأي آخر بالجواز، ولو في غير الحرب، وهذا هو مذهب أبي يوسف. وقال الشافعية بتحريم الاختضاب بالسواد لغير المجاهدين؛ (ملخصاً)"

ترجمہ: "کالا خضاب لگانے کے حکم میں فقہا نے اختلاف کیا تو حنابلہ، مالکیہ، اور حنفیہ سوائے امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کے جہاد کے سوا کالا خضاب لگانے کی کراہت کے قائل ہیں۔ رہا جہاد میں تو یہ بالاجماع جائز ہے بلکہ شرع میں اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور فتح الباری میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "بے شک بعض علما نے مجاہدین کو کالا خضاب لگانے کی اجازت دی اور بعض علما نے اس کی مطلقاً اجازت دی جب کہ بعض علما نے مردوں کو اجازت دی نہ کہ عورتوں کو۔" اور حنفیہ کی ایک رائے جواز کی بھی ہے اگرچہ غیرِ جہاد میں ہو۔ اور یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ اور شافعیہ نے

مجاہدین کے غیر کے لیے کالا خضاب لگانے کی حرمت کا قول کیا ہے۔"

مذہبِ حنفی کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو: ردّ المحتار (ج:۶،ص:۴۲۲، ناشر: دار الفکر، بیروت)

امام اہلِ سُنّت، اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا محدثِ بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع پر ایک رسالہ "حک العیب فی حرمة تسوید الشیب" تصنیف فرمایا، جس میں دلائل و براہین سے اس مسئلے کو واضح فرمایا ہے۔ شروع میں تحریر فرمایا:

"صحیح مذہب میں سیاہ خضاب حالتِ جہاد کے سوا مُطلقا حرام ہے (یہاں حرام سے حرامِ ظنی یعنی مکروہِ تحریمی مُراد ہے۔ راقم۔) جس کی حرمت پر احادیثِ صحیحہ و معتبرہ ناطق۔"

(فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد: ۲۳، صفحہ: ۴۹۶، ناشر: رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ، لاہور)

مذہب مالکی کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو: حاشیۃ العدوی علی کفایۃ الطالب الربانی

(جلد ۲ صفحہ ۴۴۶، ناشر: دار الفکر، بیروت)

مذہب شافعی کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو: المجموع شرح المہذب

(جلد ا صفحہ ۲۹۴، ناشر: دار الفکر، بیروت)

مذہبِ حنبلی کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو: المغنی لابن قدامہ

(جلد ا صفحہ ۶۹، ناشر: مکتبۃ القاہرہ)

لہٰذا جو لوگ کالے خضاب کو حرام جانتے ہیں اُن کے لیے جائز نہیں کہ جائز سمجھ کر اسے استعمال کرنے والوں کو فاسق یا گنہگار کہیں۔ اسی طرح اُن لوگوں کو بھی اپنی اصلاح کرنی ہے جو ایک طرف تو کالے خضاب کے جواز کے قائل و عامل ہیں مگر دوسری طرف بعض فروعی مسائل میں اختلاف کے سبب مخالف کو جاہل یا فاسق کہتے ہیں۔

گھڑی کی چین کا مسئلہ

فتاویٰ شارح بخاری کے شروع میں مطبوع تعارفی مضمون میں ہے:

"گھڑی دھات کی چین کے ساتھ پہننی چاہیے یا نہیں؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ سیدی حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی شاہ مصطفیٰ رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کا فتویٰ یہ ہے کہ ناجائز ہے اور تقریباً یہی موقف عامہ علماے اہلِ سنت کا بھی ہے لیکن اس کے برخلاف حضرت نائب مفتی اعظم علیہ الرحمۃ جواز کا موقف اختیار کرتے ہیں۔ آپ کے مجموعۂ فتاویٰ میں اس نوع کے کثیر فتاوی موجود ہیں، ایک آپ بھی ملاحظہ فرمائیں، رقم طراز ہیں: "دھات کی چین گھڑی کے ساتھ باندھنا علما کے مابین مختلف فیہ ہے۔ بہت سے علماے کرام اس کو ناجائز وحرام کہتے ہیں، ایسی صورت میں اسے پہن کر نماز مکروہِ تحریمی، واجب الاعادہ ہوگی۔ لیکن اس خادم نے بہت غور وفکر کیا، اور کافی تلاش کیا، مگر اب تک اس کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی اور اصل اشیا میں اباحت ہے اس لیے خادم یہ حکم دیتا ہے کہ اسے باندھنا جائز ہے اور اسے باندھ کر نماز پڑھنی بلا کراہت درست ہے۔ بعض لوگ اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا حوالہ دیتے ہیں کہ اُنھوں نے اسے ناجائز فرمایا ہے جیسا کہ الملفوظ اور احکامِ شریعت میں ہے۔ لیکن الطیب الوجیز میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا: "پس بچنا ہی بہتر ہے۔" او کما قال۔ الملفوظ کا جو حال ہے وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں، اس میں سیکڑوں غلطیاں اب تک مل چکی ہیں، احکامِ شریعت ایک میلاد خواں کی جمع کردہ ہے، یہ دونوں کتابیں اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد چھپی ہیں، اس لیے اس میں غلطی کا امکان بعید نہیں ہے۔ اسی وجہ سے خادم اسی (حکمِ جواز) پر فتویٰ دیتا ہے۔

علاوہ ازیں اسٹیل کی یہ چین جو اَب کلائی پر باندھی جاتی ہے، اعلیٰ حضرت کے زمانے میں نہیں تھی۔ اعلیٰ حضرت کے زمانے میں جیبی گھڑیوں میں چین لگائی جاتی تھی، اسی کے بارے میں ان تینوں کتابوں میں حکم ہے، اسی کے بارے میں احکامِ شریعت میں بھی ہے۔ اس لیے اس کے ناجائز ہونے پر اعلیٰ حضرت کی کسی کتاب کا حوالہ دینا بے محل ہے۔ اب بات وہیں پہنچی کہ اصل اشیا میں اباحت، اور اس چین کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیلِ شرعی نہیں، اس لیے یہ جائز ہے مگر چونکہ اختلافِ علما سے بچنا اولیٰ ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ اسے نہ استعمال کیا جائے۔" (قلمی فتاویٰ شارح بخاری)

(فتاویٰ شارحِ بخاری، ج: اوّل، ص: ۳۶، ناشر: دائرۃ البرکات، گھوسی، انڈیا)

لہٰذا جو شخص گھڑی کی چین باندھ کر نماز پڑھائے اُس کی اقتدا جائز ہے۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ اسے جائز سمجھتا ہو اور اختلافی مسائل میں جواز کے قائل کی تفسیق جائز نہیں۔ تو جب وہ فاسق نہیں تو اُس کی اقتدا بلا کراہت درست ہے۔ یہی حکم تمام اختلافی مسائل کا ہے۔ ہاں! وہ شخص جو گھڑی کی چین کو ناجائز سمجھ کر باندھے وہ ضرور گنہگار ہے۔ اور اُس کی اقتدا مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا مسئلہ

فتاویٰ شارح بخاری کے شروع میں مطبوع تعارفی مضمون میں ہے: (ملخصاً)

''ہندوستان میں لاؤڈ اسپیکر آتے ہی یہ مسئلہ علمائے کرام کے درمیان موضوعِ بحث بن گیا کہ نماز میں اس کا استعمال جائز ہے یا ناجائز۔ اور نماز فاسد ہوگی یا صحیح؟ اس کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی کہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے جو آواز سُنی جاتی ہے وہ امام کی اصلی آواز ہے یا نقلی۔ یہ مسئلہ طبعیات کا تھا، اس لیے علما نے ماہرینِ طبعیات کی طرف رجوع کیا، ان کی تحقیقات میں بھی اختلاف ہوگیا، کوئی کہتا تھا کہ آواز تو اصلی ہے مگر پہلے سے بلند ہوکر سنائی دیتی ہے۔ سائنس دانوں کے اس اختلاف کی وجہ سے علمائے کرام کے درمیان بھی اختلاف ہوگیا۔ کسی نے کہا لاؤڈ اسپیکر سے مسموع آواز پر اقتدا درست ہے، نماز صحیح ہوگی جیسے مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ کسی نے جائز خلافِ اولیٰ کہا جیسے حضرت صدر العلما مولانا غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ کسی نے مکروہ کہا جیسے حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ کسی نے فاسد بتایا جیسے حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس سلسلے میں دو متضاد فتوے ہیں، ایک میں نماز کو جائز کہا ہے اور ایک میں فاسد۔ پھر ان دونوں میں کون مقدم ہے اور کون متاخر، یہ بھی مختلف فیہ ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتوؤں میں بھی اختلاف تھا، ایک روایت کے مطابق آپ کا پہلا فتویٰ جواز کا تھا، دوسرا عدمِ جواز کا۔ اور ایک روایت کے مطابق آپ نے ابتداءً یہ صادر فرمایا تھا کہ لاؤڈ اسپیکر سے مسموع آواز اگر بولنے والے کی ہے تو اس پر اقتدا صحیح

ہے اور اگر اس کی آواز نہیں تو اقتدا صحیح نہیں۔ حضرت حافظِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک تحریر میں فرمایا کہ مجھے اس کی تحقیق نہیں احتیاط لازم ہے۔ نیز فرماتے ہیں" لہٰذا میری رائے میں یہی صورت زیادہ مناسب ہے کہ لاؤڈ اسپیکر نماز میں استعمال ہی نہ کیا جائے کہ نماز میں کسی قسم کا جھگڑا اور شبہہ پیدا ہو۔" (ملفوظات حافظ ملت، ص: ۴۴، بروایت مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب) حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تردد پر مبنی دلیل کے پیش نظر احتیاطاً ناجائز فرما کر تمنا ظاہر کی لعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً۔ حضرت محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:" احتیاط اسی میں ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کا نماز میں ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔" (ماہ نامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ پاکستان، ص: ۱۲، شمارہ شعبان ۱۴۱۵ھ، انوار شریعت) پاکستان کے بہت سے علما جواز کے قائل تھے اور ہندوستان کے بھی کچھ علما خصوصاً مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف کے کچھ مدرسین بھی جواز کے قائل تھے۔ تحقیق کے بعد حضرت (شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے عدمِ جواز کے کثیر فتاویٰ صادر کیے۔ (ملخصاً)

(فتاویٰ شارحِ بخاری، ج: اوّل، ص: ۳۹۰ تا ۴۱۱، ناشر: دائرۃ البرکات، گھوسی، انڈیا)

لہٰذا جو ائمۂ مساجد یا متولیان نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرتے ہیں اُن پر لعن طعن کرنا یا اُن کی تفسیق کرنا قطعاً جائز نہیں۔ اور جو حضرات لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر اقتدا کو ناجائز سمجھتے ہیں وہ ہرگز لاؤڈ اسپیکر کی آواز کی اقتدا نہ کریں۔ یا تو پہلی صف میں امام کے اتنے قریب کھڑے ہوں کہ امام کی عین آواز پر اقتدا کرسکیں۔ یا اگر میسّر ہو تو بغیر لاؤڈ اسپیکر والی جماعت میں شامل ہوں ورنہ تنہا نماز پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خاتمہ

آخر میں قارئین کرام سے مؤدبانہ عرض ہے کہ اس تحریر کا مکمل مطالعہ کرنے کے بعد اگر کسی کے ذہن میں کوئی سوال پیدا ہو یا کسی کو کوئی بات درست معلوم نہ ہو تو وہ بلا جھجک ہمیں لکھ کر بھیجے۔ اگر ہم سے ممکن ہوا تو کتاب کے اگلے ایڈیشن میں سائل کو اطمینان بخش جواب دینے کی کوشش کریں گے اور اگر ہم اپنی کسی غلطی پر مطلع ہوئے یا ہمیں اپنی کسی رائے میں کمزوری نظر آئی تو بغیر کسی شرم وتاخیر کے ہمیں آپ حق کی طرف رجوع کرنے والا پائیں گے۔ إن شاء الله تعالیٰ۔

وصلی الله تعالیٰ وسلم وبارك علی حبیبه محمد وعلیٰ آله وصحبه وأزواجه وذریاته وأهل بیته وعلماء ملته وأولیاء أمتی وابنَیه الکریمَین الغوث الأعظم الجیلانی وسلطان الهند خواجه معین الدین الجشتی ومن تبعهم بإحسان إلیٰ یوم الدین۔

فقط

اسیرِ بارگاہِ فیضی

محمد ثاقب اقبال چشتی شامی

مقیم حال: برمنگھم، برطانیہ

info@kanzulhuda.com

کتاب میں کیا ہے؟؟

اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتاویٰ رضویہ میں متعدد جگہ "الحدیقۃ الندیۃ" کی اس عبارت کو استدلال کے طور پر نقل کیا اور اس پر اعتماد فرمایا: "المسألۃ متی أمکن تخریجھا علی قول من الأقوال فی مذھبنا أو مذھب غیرنا فلیست بمنکر یجب إنکارہ والنھی عنہ، وإنما المنکر ما وقع الإجماع علی حرمتہ والنھی عنہ. انتھی ملخصاً. (ترجمہ) "جب کسی مسئلے کے جواز کی تخریج ہمارے مذہب یا ہمارے غیر کے مذہب کے اقوال میں سے کسی قول پر ممکن ہو تو یہ وہ منکر نہیں جس پر انکار کرنا اور اس سے روکنا واجب ہے۔ بلکہ منکر تو وہی ہے جس کی حرمت پر اور اس سے نہی پر اجماع واقع ہو۔" (فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۱۸، ص ۳۰۲) معلوم ہوا کہ کوئی ایسا فعل جو ہمارے نزدیک حرام ہو اور وہ ہمارے مذہب میں کسی قول کے مطابق اگرچہ وہ قول ضعیف ہو جائز قرار پاتا ہو یا کسی اور مذہب کے کسی قول کے مطابق وہ جائز قرار پاتا ہو تو اگر کوئی شخص اس فعل کو جائز سمجھ کر کرے تو خاص اس فعل کی وجہ سے اس پر طعن و تشنیع کرنا، اسے گناہگار و فاسق کہنا اور نہی عن المنکر کرنا جائز نہیں۔ بشرطیکہ وہ قول اس قدر سخت ضعیف نہ ہو کہ کالعدم کی منزل میں ہو۔

اس اجمال کی تفصیل کو جاننے کے لیے کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ (مصنف)

Kanz ul Huda International (UK)

www.kanzulhuda.com